

# اسلام کا نظم و قضاء

مولانا مفتی عبداللطیف صاحب مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

قضاء کے لغوی معنی: لغت میں قضاء یعنی انقطاع ہے۔ کہا جاتا ہے قَضَى فُلَانٌ مَخْبِيَةً یعنی فلان مر گیا۔ اس کی زندگی منقطع ہو گئی۔ قضی فلان دَمِنَةً: فلان نے اپنا قرض ادا کر لیا یعنی قرض خواہ کے مطالبہ کو قطع کر لیا۔ قرآن کریم میں اس کا فعل متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔

بمعنی ارادہ ”واذا قضی امر فانما یقول له کن فیکون“ (بقرہ آیت ۲۵۵)

یعنی رب تعالیٰ جب کسی امر کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے ہو جا وہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ وقت مقرر کرنا۔ هو الذی خلقکم من طین ثم قضی اجلاً (سورہ انفصاح آیت ۱۵) یعنی وہ تو وہ ہے جس نے ہمیں مٹی سے پیدا کیا پھر تمہاری موت کا وقت مقرر کر دیا۔

۳۔ حاجت پوری کرنا ”فلما قضی ذید منها وطوا“ یعنی جب زید نے اس سے اپنی

حاجت پوری کر لی (سورہ احزاب آیت ۳) ”علا واکرنا“ ”اذا قضیتم منا مسلکم“ یعنی

جب تم مناسک حج ادا کر لو (سورہ بقرہ آیت ۱۹) ”علا حکم دینا فیصلہ کرنا“ والذی

فطرنا فانقضی ما انت قاض“ قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا تو نے جو

حکم دینا ہے دیدے انما تقضی هذه الحیوة الدنیا (تو صرف ہماری اس

دنیاوی زندگی ہی کے بارے میں فیصلہ دے سکتا ہے۔) (سورہ طہ آیت ۱۸) اس آیت

کریمہ میں قضاء بمعنی حکم فی المنازعات استعمال ہوا ہے قضاء کا اصطلاحی معنی یہی

علم دینا۔ فیصلہ کرنا ہے۔

قضاء کے اصطلاحی معنی؛ ابن خلدون نے کہا: القضاء... منصب الفصل  
بین الناس فی الخصومات حتماً للتداعی و قطعاً للتنازع“

یعنی قضاء ایک منصب ہے لوگوں کے درمیان ان کے جھگڑوں میں فیصلہ کرنے کا  
ان کے تنازعات و تداعی کو ختم کرنے کے لیے۔

جرجانی تعریفات میں لکھتے ہیں: القضاء فی الخصومة هو اظهار ما هو ثابت  
یعنی قضاء تنازع میں امر ثابت کا اظہار ہے۔

ابن فرحون نے تبصرۃ الحکام میں کہا ”حقیقۃ القضاء الاخبار عن حکم شرعی علی  
سبیل اللزام“ یعنی قضاء کی حقیقت بطور الزام کے حکم شرعی کی خبر دینا ہے۔ جب کہا جاتا ہے  
قَضَى الْقَضِیُّ تَوَاسُّمًا كَمَا مَطْلَبُ الزَّمَانِ حَقٌّ هُوَ تَوَاسُّمًا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خَلَمَا قَضِیْنَا عَلَیْهِ  
الْمُؤْتَا (سورہ سبأ آیت ۱۷) یعنی جب ہم نے موت ان کو لازم کر دی۔

## اہمیت قضاء

حکومت اور ریاست کے قیام میں قضاء کو اہم ترین سمجھا گیا ہے۔ جمہوریت کے  
تین ستونوں میں سے یہ اہم ترین ستون ہے ارسطو نے عدل کو قوام عالم قرار دیا۔ امیر عبداللہ  
بن طاہر والی مصرؒ نے کسی عابد سے پوچھا۔ یہ دولت عباسیہ ہم میں کب تک قائم  
رہے گی تو اس نے جواب دیا ”تبقى وتمدوم مادام بساط العدل والانصاف  
مبسوطا فی هذا الایوان۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی ینفیر واما بانفسهم“  
یعنی جب تک یہاں عدل و انصاف کی بساط بچھی رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی  
حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود ہی اپنی حالت کو نہ بدل لیں۔

مثال مشہور ہے العدلُ اُسْأَسُ الْمُلْکِ ملک و سلطنت کی بنیاد عدل ہے۔

فرمانِ خداوندی ہے: و انسطوان اللہ یحب المقسطین (حجر انشا آیت ۹)

ارسطو کے زمانہ سے آج تک تمام ترقی یافتہ اقوام اور آسمانی ادیان نے قضاء کی تقدیس و احترام  
کو لازم قرار دیا ہے۔ حکم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے فرمایا: ان الحکم الا للہ لیقصر الحق

وہو خیر الفاصلین رسالہ آیت (۱۰۴)

واللہ یحکم لامعقب لحکمہ وهو سدیح الحساب (الحدیث ۴۳)

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صفت حکم سے مشرف فرمایا:

انا انزلنا الیک بالحق لتحکم بین الناس بما اراک

اللہ ولا تکن للخائنین خصیما (انعام آیت ۵۷)

قل امر ربی بالقسط (اعراف آیت ۲۸) عدل وانصاف کا قیام ہر مہذب متمدن

انسانی معاشرہ کی اولین ضرورت اور ہر مہذب و متمدن حکومت کا سب سے اہم فریضہ ہے۔ عدل کے بغیر نہ لوگوں کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین ہو سکتا ہے اور نہ ظلم و استیصال کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ ہر زمانہ میں قانون سازی اور تشریح کا بنیادی مقصد بھی اسی کو

سمجھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر پیغمبروں اور رسولوں کے مشن پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے لہذا رسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معهم الکتاب والمیزان لیتقوم

الناس بالقسط (سورہ صید، ۸۵) اسی اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رسول اور بحیثیت سربراہ ریاست معاشرہ میں عدل وانصاف کے قیام واجبہ کے ذمہ دار تھے

اور اسی لیے صیغہ عدالت ریاست نبوی کا ایک مستقل اور اہم ترین شعبہ تھا۔

عہد نبوی میں عدالت و قضاء کے تمام اختیارات اور قانون اسلامی کا نفاذ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا اور آپ شارع حقیقی کے حکم کے بموجب فیصلے فرماتے تھے

آپ کے لئے حکم یہ تھا کہ وان حکمت فاحکم بینہم بالقسط ان اللہ یحب المتقین

نیز حکم ہے؛

وان احکم بینہم بما انزل اللہ (مائدہ)

سورۃ شوریٰ میں ہے: امرت لاعدل بینکم، ان ہدایات کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ریاست نبوی میں انصاف رسانی کے موثر اقدامات فرمائے۔ مرکز میں آپ

خود ہی گویا قاضی القضاة اور مفتی اعظم تھے۔ تمام مقدمات آپ کی عدالت میں پیش ہوتے

تھے اور بالعموم مسجد نبوی کو ہی ایوان عدالت کی حیثیت حاصل تھی۔ نیز چونکہ لوگوں کے درمیان

اختلافات کو ختم کرنا اور ان کے نزاعات کا فیصلہ کرنا آپ کا فرض منصبی تھا اور ریاست

میں امن و اتحاد کی فضا قائم کرنے کے لیے بھی یہ امر ناگزیر تھا۔ اس لیے ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متحارب گروہوں کو شیر و شکر کرنے کے بدلہ سب سے بڑا کارنامہ یہ انجام دیا تھا کہ عدلی و انصاف کو شخصی اور قبائلی سطح سے اٹھا کر مرکزی معاملہ بنا دیا اور انصاف رسانی کے لئے سادہ لیکن موثر طریقہ کار اختیار کیا۔ پھر یہی وہ مقام بھی تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری عدالت مرافعہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ قاضی اور حکم کی حیثیت سے آپ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کوئی مسئلہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا تو آپ اس کا جواب دے دیتے اس قسم کے سوال و جواب کے لیے رجس کو ہم فتویٰ کہہ سکتے ہیں، کوئی وقت اور مقام مقرر نہ تھا۔ بہرحال اور ہر آن آپ اس فریضے کو انجام دیتے رہتے تھے۔ آپ کے یہ فتاویٰ احادیث میں پوری طرح محفوظ ہیں۔ جس پر بحث ہمارے دائرہ سے خارج ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب کسی معاملہ میں کتاب اللہ کا حکم موجود نہ ہوتا تو آپ اپنی بصیرت و اجتہاد سے فیصلہ دیتے یا صحابہ سے مشورہ فرما کر کسی نتیجہ پر پہنچ جاتے۔ پھر وہی فیصلہ اسلام کا قانون اور حکم بن جاتا۔ لیکن اپنے ذاتی اجتہاد اور فیصلوں کے سلسلہ میں آپ نے علی الاعلان یہ وضاحت کر لی تھی کہ:

انما انا بشر و انکم تختصمون الی و لعل بعضکم ان یكون الحق بجمتہ من بعض فاقضی له علی نحو ما سمع منه فمن قضیت له بشی من حق اخیه فلا یأخذ منه شیئاً فانما اقطع له قطعاً من النار۔

ترجمہ: جہاں تک فیصلوں کے نفاذ کا تعلق ہے تو اس کے لیے آپ اپنی طرف سے ناپسند بھی مقرر فرماتے تھے مثلاً ایک زانیہ کے مقدمہ میں انیس اسلامی کا تقرر فرمایا تھا۔

## اثبات دعوی

مقدمات کے باب میں اثبات دعویٰ کی بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لو يعطى الناس بدعواهم لا دعى ناس دمار رجال و اموالهم  
اگر لوگوں کے دعوے یوں ہی تسلیم کر لئے جائیں تو عدالتوں میں خون کے اور مال کے  
بہت سے دعوے دائر ہو جائیں۔

بہر حال قانونی نقطہ نظر سے صرف وہی دعویٰ معتبر ہے جو ثابت ہو جائے اس لئے  
آپ لوازمات ثبوت کے لئے جن ذرائع کو استعمال فرماتے تھے ان میں سے ایک بینہ  
یعنی شہادت ہے۔ شہادت یا بینہ کا قاعدہ نہ صرف دور جاہلیت میں معروف و  
متداول تھا بلکہ دور جدید میں بھی ہے چنانچہ المجلہ کی عبارت یہ ہے کہ:  
البینة على المدعى - اليمين على من انكر - جس کی دلیل یہ حدیث پاک ہے۔  
البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه او على من انكر۔  
گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بینہ کے ساتھ ساتھ یمین کو معتبر ٹھہرایا۔

علاوہ ازیں قیافہ شناسی اور فراست کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوازمات  
ثبوت میں شمار کیا ہے اور بعض اوقات اس سلسلہ میں آپ نے ظاہری حالات و دلائل  
قرعہ اندازی اور قسامت کا بھی اعتبار فرمایا ہے۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام  
ترکوشش اس بات پر مرکوز تھی کہ انصاف سہل الحصول ہو اور اس معاملہ میں تعصب یا  
جانبداری سے کام نہ لیا جائے۔ قرآن میں بھی متعدد مقامات پر غیر جانب دارانہ عدل  
کی ہدایات دی گئی ہیں اس کے پیش نظر آپ کے نزدیک قانون ہر ایک پر یکساں طور پر  
پر عائد ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے یہ کہہ کر عدل و انصاف کے معاملہ میں نہر  
قسم کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کر دیا۔

فرمایا:

والذى نقص محمد بيده لوان فاطمة بنت محمد سوقت لقطعت يدها؛  
ترجمہ: اور یہ اس سیاسی اور قانونی مساوات کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ریاست میں قائم فرمایا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صیغہ  
عدالت کے ذریعہ ریاست کے تمام شہریوں کے حقوق امن و آزادی اور مساوات

کا تحفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسی تندہی کے ساتھ فرماتے تھے۔ یہاں یہ وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مقدمات بہت کم تعداد میں آتے تھے۔ اس کی خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ریاست نبوی میں قانون کا اجراء و نفاذ معائنہ کے اخلاقی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہوا اور یوں قانون کے ساتھ اسکی اصل روح عمل کے سلیخے میں ڈھلتی چلی گئی۔ غالباً اسی لیے جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حکم جاری ہوتا تھا یا کوئی فیصلہ کر دیا جاتا تو اسے فی الفور تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ محض ایک قانونی معاملہ نہ تھا بلکہ دین و ایمان کا ایک اہم تقاضا بھی تھا۔ جس کی شہادت قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے کہ : فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيتا ويسلموا تسليما گویا نفاذ قانون کے لیے ریاست کی طاقت کو استعمال کرنے کی ضرورت شاذ و نادر ہی پڑتی تھی اور اپنے روحانی تقدس کی وجہ سے ہر ایک اس قانون پر از خود عمل پیرا ہو جاتا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش یہ بھی ہوتی تھی کہ تنازعہ یا مقدمہ عدالت میں باقاعدہ طور پر آنے سے پہلے ہی فریقین کی رضامندی سے ختم ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے قرآن نے بھی اس کی طرف ”والصلح خیر“ فرما کر توجہ دلائی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ اگر مسلمانوں میں باہم کوئی اختلاف یا نزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو صلح کی اجتماعی کوششوں میں کمی نہ کرنی چاہیے۔ ہاں اگر پھیلی سطح پر معاملات طے نہ ہو سکیں تو پھر عدالت عالیہ سے رجوع کیا جائے۔ تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ ظاہر ہے اسی صورت میں جو جیسا جرم کریگا اس کی سزا بھی ویسی ہی پائے گا۔ اور کسی فرد کو دوسرے کے جرم کی سزا نہیں دی جائے گی۔ پھر انصاف کے تقاضوں کو کما حقہ ادا کرنے کے لئے آپ کی یہ ہدایت بھی موجود ہے ”لا یقتضین احدکم دین اثین و هو غضبان“ کیونکہ اس صورت میں آدمی عدل سے تجاوز کر سکتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ توسیع ریاست کے ساتھ ساتھ نظام عدالت میں بھی توسیع ہوتی گئی مرکز میں تو آپ خود منصب قضا پر فائز تھے لیکن اس کے علاوہ صوبائی سطح پر بھی قاضیوں کا تقرر کیا۔ اور عدالت و قضا کی ذمہ داری بھی صوبائی سربراہوں

یا ولیوں کے سپرد کی۔ گویا والی اپنے عہدہ کے لحاظ سے قاضی بھی تھا۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم اور عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر کیا تو یہ حضرات حکومت عامہ کے ساتھ ساتھ فصل خصومات کے اور عدالت کام بھی انجام دیتے تھے۔ ان دنوں عدلیہ اور انتظامیہ کو یکجا کرنے کا سبب غالباً یہ تھا کہ ایک طرف تو انتظام ریاست اپنے ابتدائی مراحل میں تھا اور دوسری طرف مقدمات بہت کم آتے تھے۔ صوبائی قضاة اپنے فیصلوں میں پہلے کتاب اللہ اور پھر سنت رسول کو پیش نظر رکھتے تھے اور جب ان دونوں ماخذ میں سے کوئی رہنمائی نہیں ملتی تو بالآخر اپنے اجتہاد اور بصیرت سے کام لیتے تھے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح جب آپ نے حضرت علیؓ کو یمن کی جانب روانہ فرمایا، تو وصیت فرمائی کہ جب تک تم فریق اول کی طرح فریق ثانی کا بیان نہ سن لو۔ فیصلہ نہ دینا اور آپ نے یہ بھی فرمایا اگر تم نے اجتہاد کیا اور اس میں ثابت قدم رہے تو دوسرا اجر ہوگا۔ اور اگر خطا کر گئے تب بھی ایک اجر ضرور ملے گا۔ کنانی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں سے جن لوگوں کو منصب قضاہ پر فائز فرمایا تھا ان میں حضرت عمر بن خطاب عثمان بن عفان علی بن ابی طالب۔ عبداللہ بن مسعود۔ ابی بن کعب زید بن ثابت اور ابو موسیٰ اشعری شامل ہیں۔ لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ ان لوگوں کو کن کن مقامات پر قاضی متعین کیا تھا۔

یہاں یہ بتا دینا بر محل ہے کہ جس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نظام عدالت قائم فرمایا تھا اس وقت دینا عدالت و قضاہ کی حقیقتوں سے بہت دور تھی۔ باظہر روم و ایران کی متمدن سلطنتوں میں عدالتی ادارے موجود تھے اور عرب جاہلیت میں بھی بلاشبہ شیخ قبیلہ حکم کاہن اور عراف وغیرہ نزاعات کے فیصلے کیا کرتے تھے اور یہ بھی صحیح ہے کہ لوازمات ثبوت کے ضمن میں قیافہ شناسی۔ فراست۔ قسامت قرعہ اندازی شہادت کا بھی رواج تھا اور قس بن ساعد کا یہ قول: اللبیبہ علی من ادعی والیبین علی من انکر

زبان زد و خاص و عام تھا۔ لیکن قضا کی یہ تمام صورتیں کسی قاعدے اور ضابطے کی پابندی نہیں اور عرب میں خصوصاً ایسی کوئی با اختیار انتظامیہ بھی موجود نہ تھی جو تنفیذ احکام کی ذمہ دار ہو جو شخص طاقت، قوت اور اثر و رسوخ کا مالک ہو تا وہ فیصلوں پر اثر انداز ہونے اور انہیں بدلنے کی بھی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ فیصلوں کی پابندی کی صورت میں بھی اہل عرب کے درمیان غیر مختتم لڑائیوں کے دروازے کھل جاتے تھے اور ایام العرب کی صورت میں جن کا تاریخی ریکارڈ آج بھی موجود ہے نظام عدالت کے سیاق و سباق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑا انقلاب یہ پیدا کیا کہ سیاسی، معاشی معاشرتی اتحاد کے ساتھ ساتھ عدالتی اختیارات کو بھی مرکزیت عطا کی۔ عدالت ایک شخص یا قبیلہ کا معاملہ نہ رہا بلکہ وہ اجتماعی اور معاشرتی بن گیا۔ قانونی انتشار کے بجائے قانونی مساوات قائم ہوئی اور ہر اختلاف کی صورت میں مرجع خدا اور رسول کی ذات ہو گئی۔

## فضیلت قضا

قضا نہایت شریف پیشہ ہے اس کی فضیلت میں آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ۔ اقوال فلاسفہ ناطق ہیں۔ قرآن کریم نے اس کی فضیلت و افادیت ان الفاظ میں بیان فرمائی:

وَلَوْلَا دَفَعَ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ (بقرہ آیت ۲۵۱)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ نظام قضا قائم نہ فرماتا تو زمین میں فساد ہو جاتا۔

احادیث مبارکہ میں اس کی فضیلت یوں وارد ہوئی۔

ان المقسطین عند ربهم يوم القيامة على منابر من نور عند يمين الرحمن،،

انصاف کرنے والے قیامت کے دن رحمن کے دائیں نور کے ممبروں پر جلوہ افروز

ہوں گے۔ دوسری حدیث پاک میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابا هريرة عدل ساعة



خير من عبادة ستين سنة وجود ساعة في حكم اشد واعظم  
عند الله من معاصي ستين سنة -

یعنی عدل و انصاف میں گزارنی ہوئی ایک ساعت عبادت میں گزارے ہوئے  
ساتھ سال سے بہتر ہے۔ اور ظلم کی ایک ساعت گناہ کے ساٹھ سال سے بدتر ہے۔  
حکماء کا قول ہے کہ عادل حاکم موسلا دھار بارش سے بہتر ہے۔ اندلسی بادشاہ مستنصر باللہ  
کا قول ہے کسی مملکت کے لئے عادل قاضی کی موت سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں اس لئے  
کہ کسی فوجی سالار یا وزیر کے مرنے سے عمومی زندگی پر وہ اثرات مرتب نہیں ہوتے  
جو عادل قاضی کے مرنے سے مرتب ہوتے ہیں فلاسفہ - ادیان - دساتیر عالم کے احترام  
قضا پر اس اجماع سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ قضا کی اس تقدیس و توقیر کا سبب کیا ہے۔  
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ انسانی اجتماعیت کبریٰ کی ضرورت ہے اس لئے کہ فرد جب تک  
اپنے مال - جان اور آزادی پر مطمئن نہیں ہوگا۔ اس کی اجتماعی اور انفرادی زندگی انتہائی  
شقاوت و اضطراب میں گھری رہے گی۔ کیونکہ جماعت افراد ہی کا تو مجموعہ ہے۔ بدنظمی  
اور ظلم اس کی سیاہ بختی کا سبب ہے۔ انسان بالطبع بہت سی برائیوں مثلاً کینہ - حد  
طبع - انانیت استبدادیت وغیرہ کا مجموعہ ہے اگر ان برائیوں کو محدود کرنے والی اور  
افراد و اجتماع کے تعلقات کو منظم کرنے والی کوئی طاقت نہیں ہوگی تو یہ پورا معاشرہ فگند  
ہو جائے گا۔ جب حضرت عمر فاروقؓ نے قاضی شریح کو عہدہ قضا پر مقرر فرمایا اور  
اسے عدل کرنے کی وصیت کی تو حضرت عمرو بن عاص نے یہ اشعار پڑھے

ان القضاة اذا الماراد و اعدلاً. دار فجو افوق الخصوم فضلاً

وز حذ حوا بالعلم عنهم جهلاً - كانوا كفايت قد اصاب محلاً -

یعنی قاضی حضرات جب عدل و انصاف کا ارادہ کر لیں۔ اور اہل خصومت پر  
اپنے فضل کا سایہ کر دیں۔ علم کی شمع سے جہالت کی ظلمت کو دور کر دیں۔ تو وہ  
تھوڑے روزہ زمین پر باران رحمت کی مانند ہوں گے۔

چونکہ قاضی بھی تو ایک فرد بشری ہے۔ اگر شرائع - قوانین اور ادیان اس کے گرد

تقدس و وقار کا عالم نہ قائم کریں گے تو لوگ ان کے احکام کے سامنے سر تسلیم کیسے خم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا تقدس یہ کہہ کر قائم فرمایا: فلا وربك لا يؤمنون حتى

يعلموك فيما شجروا بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما اتيتهم وليعلموا ان سلیمان را آیت، ۹۷

تیرے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ بنالیں پھر آپ کے فیصلہ کے خلاف اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ آپ کے فیصلوں کو دل و جان سے تسلیم کر لیں۔

## القضاء والحضارة

کسی قوم کی ترقی کا قیاس اس کے نظام قضاء کی ترقی پر کیا جاتا ہے پس ماندہ قبائل میں قومی کمزوری پر غالب ہوتا ہے۔ قوت کو سیادت اور غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ جب قوم شہریت اور تمدن کے مدارج طے کر لیتی ہے تو اس کی فکر میں حق و انصاف کی سیادت اور قانون کو بالا دستی حاصل ہو جاتی ہے۔ جس معاشرہ میں فرد کی زندگی قانون کے سایہ عاطفت میں مطمئن نہ ہو، خواہ مادی وسائل اس میں کتنے ہی کیوں نہ جمع ہو جائیں وہ معاشرہ متمدن نہیں کہلا سکتا۔ پس تہذیب و تمدن اس اطمینان و استقرار حق کا نتیجہ ہے جس کی بنیاد عدل و انصاف پر ہو اور عدل بغیر قضاء کے ممکن نہیں۔ زمانہ حاضر میں قضاء کا تقدس تمدن کے پہلو بہ پہلو ترقی کرتا ہے جس قدر تمدن منذب ہوتا جائے گا قضاء کے تقدس و احترام میں بھی اضافہ ہوگا۔ سابقہ متمدن قوموں میں اس کی کثیر مثالیں پائی جاتی ہیں عربوں کی اسلامی تاریخ عدل و انصاف کے بے مثال شواہد سے پر ہے جبکہ خلفاء امراء اور ولایت کی گردنیں عادل قاضیوں کے فیصلوں کے سامنے جھک جاتی تھیں اس کی ایک عمدہ ترین مثال وہ واقعہ ہے جسے بلاذری نے فتوح البلدان کے صفحہ ۴۲۸ پر یوں رقم کیا ہے کہ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں اہل سمرقند کا ایک وفد آپ کے لشکر کے ایک عظیم سردار قتیبہ بن مسلم باہلی کی شکایت لے کر آیا کہ اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دیے بغیر ہمارے شہر پر حملہ کر دیا اور اسے

فتح کر لیا۔ تو خلیفہ نے اپنے عراق کے گورنر کو لکھا کہ ان کے لیے ایک خصوصی عدالت قائم کرے گورنر نے جمیع بن حاضرا بجا جی کو قاضی مقرر کیا۔ جس نے قائد جیش قتیہ کے خلاف ان کے مقدمہ کی سماعت کی اور اپنے فیصلہ میں لکھا کہ مسلمان سمرقند کا قبضہ چھوڑ کر شہر سے باہر نکل جائیں اور اہل سمرقند اپنے قلعوں میں واپس آجائیں۔ اس کے بعد قائد جیش یعنی قتیہ اہل سمرقند کے سامنے اسلامی طریقہ کے مطابق تین باتیں پیش کرے کہ اول وہ مسلمان ہو جائیں۔ نہیں تو جزیہ دنیا قبول کریں ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ اسلامی لشکر اور اس کے قائدین نے اس فیصلہ کو بسر و چشم تسلیم کیا۔ جب اہل سمرقند نے عدل و انصاف کا یہ نادر نمونہ دیکھا تو انہوں نے بدل و جان اسلامی لشکر کی اطاعت قبول کر لی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مسلمانوں کے دلوں میں عدل و انصاف کی کیا قدر و منزلت تھی اور ان کا ہر چھوٹا و بڑا حاکم خواہ خلیفہ ہو یا امیر یا والی قاضی کے حکم کے سامنے کس طرح گردن جھکا دیتے تھے۔ کیا اس میں کوئی شک ہے کہ زمانہ حال جس میں انسانی حقوق کے بڑے بلند بانگ دعوے کئے جاتے ہیں۔ اس عدالت و مساوات کی گرد کو بھی نہیں پہنچ پایا ہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز خود بنفسہ کوئی حکم دینے کی بجائے۔ اس مقصد کے لئے قاضی مقرر کر کے آج سے تیرہ سو سال پہلے یہ اعلان فرما دیتے ہیں کہ اسلام میں شعبہ قضاء انتظامیہ سے الگ و آزاد ہے اور قاضی بھی کس شان کا ہے کہ مملکت کی مصلحتوں کی پرواہ کیے بغیر مبنی برحق فیصلہ صادر کر دیتا ہے خواہ وہ حکومت خلیفہ اور قائد جیش کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ کیا دنیا کی کوئی قوم عدل و انصاف کا ایسا نمونہ پیش کر سکتی ہے یہ واقعہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد قصہ ہی نہیں بلکہ ہر سیاسی حاکم اور فوجی قائد کے لئے مشعل راہ ہے اور نادر مثال ہے۔ جو مسلمان عربوں نے عدل و انصاف اور حقوق انسانی کے لیے ایسے وقت میں قائم کی جس وقت دنیا کی تمام اقوام اس سے تہی دست بلکہ قاصر نظر آتی ہیں جبکہ اسلامی تاریخ کا دامن ایسے واقعات سے پر ہے۔ حقوق انسانی کے لیے اقوام متحدہ کا عالمی اعلان صفحہ قرطاس پر ایک اچھی دستاویز ہے لیکن سطح زمین پر اس کا

بالفعل وجود کہیں نظر نہیں آتا بلکہ شرق اوسط - افغانستان - کشمیر اریٹریا - افریقہ - سری لنکا میں اس کی دہجیاں اڑائی جا رہی ہیں - الغرض مسلمانوں کا یہ عدل و انصاف ہی تھا جس نے قلیل عرصہ میں مسلمانوں کو بام عروج پر پہنچا دیا اور ساری دنیا کی سیاحت عطا کر دی - یورپ کو تہذیب و تمدن سکھایا حتیٰ کہ جو سٹاف یہ کہنے پر مجبور ہوا تاریخ نے عربوں سے زیادہ رحم دل فاتح پیش نہیں کیا: صلاح الدین ایوبی نے اپنی فتوحات کے عین شباب میں یہ جملہ کہا - لا تظنوا انی ملکت البلاد بسیو فکم بل بقلم المقاضی الفاضل - فاتح صلاح الدین ایوبی نے اپنے غلبہ کے وقت مسلمانوں کا قتل عام کرنے والے مہم جو و مغلوب صلیبیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا - بقول جو سٹاف اس نے صلیبیوں کی گردنیں مارنے کی بجائے عام معافی دے دی - اور ان کا مال و دولت لوٹنے کی بجائے معمولی جزیہ مقرر کیا - ان کے امراء کو مجمع اہل و عیال یورپ واپس جانے کی اجازت دے دی بلکہ ان کو طرطوس سے بڑے عزت و احترام کے ساتھ الوداع کیا - روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کسی عامل نے شہر کی حفاظت کے لئے مال طلب کیا تو آپ نے جواب میں لکھا: حصنہا بالعدل و نقتطد یقہا من الظلم - عدل و انصاف کے ساتھ شہر کو مضبوط کرو اور اس کے گلی کوچوں کو ظلم سے پاک کرو -

سعید بن سوید نے حمص میں خطبہ دیتے ہوئے حمد و ثنا کے بعد کہا: ایہا الناس

ان للاسلام حائطاً منیعاً و با با و شقیافاً حائطاً الاسلام الحق و بابہ العدل

اے لوگو اسلام کی ایک محفوظ فصیل ہے اور ایک مضبوط دروازہ ہے - اس کی فصیل توحق ہے اور اس کا دروازہ عدل ہے سکندر اعظم نے بابل کے حکماء سے دریافت کیا تھا: ایما بلغ عندکم الشجاعة ام العدل تو حکماء نے جواب دیا - اذا استعملنا بالعدل استغننا عن الشجاعة -

یعنی جب ہم عدل پر عمل کریں گے تو شجاعت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی لہذا

تمام ادیان تمام شریعتوں اور تمام دستوروں کا اس پر اجماع ہے کہ عدل ہی کسی سلطنت

کی بنیاد ہے۔ اور تہذیب و تمدن اور احترام قانون کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

## القضاء قبل الاسلام

اہل عرب کے نزدیک اسلام سے پہلے قضاء کا کوئی مستقل شعبہ نہ تھا یعنی قاضی فیصلہ کرنے کے لیے کسی عدالت میں نہیں بیٹھتے تھے قبیلہ کا رئیس یا کوئی صائب الراہ اور عقلمند شخص لوگوں کے درمیان ان کے حکم بنانے پر فیصلہ کر دیتا تھا اسی لئے وہ قضاہ کو حکومت اور قاضی کو حکم کہتے تھے اس لئے کہ کلمہ حکم کے معنی قضاہ بھی ہیں اور حکمت بھی ہیں قال اللہ تعالیٰ وارتیناہ الحکم صیبا یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کو بچپن میں ہی علم و حکمت عطا کر دی تھی علم وہ ہے جو ہر چیز کو اس کا مناسب مقام دے اور حکم وہ ہے جو جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ قریش کو باقی قبائل پر چند امتیاز حاصل تھے۔ وہ عربوں کے درمیان منصب قضاہ پر فائز تھے اور ان کے بعض قاضی مشہور تھے مثلاً ہاشم بن عبد مناف۔ عبد اللہ بن ہاشم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا <sup>مطلب</sup> عبدالمطلب اور چچا ابوطالب دوسرے عرب قبائل میں بھی بہت سے مشہور قاضی تھے جن کے فیصلے مانے جاتے تھے۔ مثلاً اکثم بن صیفی۔ حاجب بن زرارہ تمیمی۔ عقیلان بن سلمہ ثقفی ربیعہ بن حنظل اسدی۔ سلمی بن نوفل کنانی۔ بعض قبائل کا ہنوں سے فیصلہ کرتے تھے جن میں سیط ذبی کاہن مشہور تھا۔ عربوں نے زمانہ جاہلیت میں نظام مظالم کے مشابہ ایک نظام قائم کیا تھا جس کا سبب عاص بن وائل اور ایک زبیدی شخص کے درمیان ایک تنازع تھا کہ عاص نے زبیدی سے کچھ سامان خریدا لیکن قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا رہا جب زبیدی کے صبر کا پیمانہ لہریز ہو گیا تو اس نے خانہ کعبہ کے گرد روساء قریش کے سامنے اپنی مظلومیت کا مظاہرہ چند اشعار میں کیا۔ جس کی مدد کے لیے قریش عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے جہاں انہوں نے حلف اٹھایا کہ ہم مظلوم کی مدد کریں گے۔ اس حلف کو حلف الفضول کہتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے۔

عربوں کی زمانہ جاہلیت کی قضاء اسلامی قضاء سے دو اہم باتوں میں مختلف تھی اول یہ کہ قضاء کے لئے کوئی مکتوب اور مسطور قانون موجود نہیں تھا صرف عرف عادت اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ لیکن اسلام میں قضاء کی بنیاد قرآن، سنت اجماع اور قیاس پر تھی اور عرف و عادت کو بھی اس شرط پر ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ کہ قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ صرف عرفات پر اعتماد بسا اوقات عدل و انصاف سے دور لے جاتا ہے کیونکہ بہت سے عرف و عادت برے بھی ہو سکتے ہیں جو کسی قوم میں رواج پذیر ہو جائیں جن سے خلاصی پانا دشوار ہو جائے مثلاً زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی بڑی رسم جاہلی معاشرے میں چرچیکڑ گئی تھی جس کی پیروی کرنے میں سرداران قوم فخر محسوس کرتے تھے حتیٰ کہ اسلام نے آکر اسے یوں کہہ کر ختم کیا: **ومن یقتل مومنًا عمدًا فجزاؤه** **سہم خالداً فیہا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعدا له عذاباً عظیماً و ناد آیات ۹۲**

دوسرا یہ کہ زمانہ جاہلیت و اسلام کے طریقہ ہائے قضاء میں یہ بین فرق تھا کہ اسلام میں قاضی کے فیصلہ کو ماننا لازمی اور حتمی قرار دیا گیا جبکہ زمانہ جاہلیت میں کوئی فریق بھی حکم کے فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دینے اور کسی دوسرے کو حکم بنالینے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتا جب کسی عدالت کے فیصلہ میں قوت نافذ ہی نہ ہو۔ طاقت و نافذ کرانے کمزور محروم رہے یہ تو جس کی لامٹھی اس کی بھینس والا قانون ہو گیا۔ جبکہ قرآن کریم نے قاضی کے فیصلہ کی تنفیذ کے لئے یہ صریح حکم دیا **ولا وذبک لایومنوننا** تسلیماً۔ آیت کریمہ نے محکمہ قضاء کو وہ قوت بخش دی جو جاہلیت میں اسے حاصل نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے نہ ماننے والے کو ایمان سے ہی خارج کر دیا بلکہ دل کی گہرائیوں سے اسے تسلیم کرے اور دل میں اس کے خلاف خفیف سی تنگی محسوس نہ کرنے کا حکم دیا گیا اس لئے کہ اس فیصلہ کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے جس کا ماننا لازمی نہ ہو۔ فی زمانہ اس کی مثال اقوام متحدہ ہے جس کے فیصلے محض مشورہ کی حیثیت رکھتے ہیں اسی لئے آج تک وہ کسی تنازعہ کا فیصلہ نہیں کر سکی۔

## القضاء فی الاسلام

جب اسلام کی فجر وادی مکہ سے طلوع ہوئی اور اس کا پیغام آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔ دلوں اور روحوں کو منور کرنے لگا۔ اور لوگ گروہ درگروہ دین میں داخل ہونے لگے۔ اور لوگوں کی ہدایت کے لیے خیر امت قرار پائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی حکم اور قاضی تھے اور قواعد دین لوگوں کے سینوں میں راسخ ہو گئے۔ تو بقول استاذ عارف کندی اسلام نے لوگوں کے دلوں میں اخلاق عالیہ کی روح پھونک دی۔ ان کے دلوں میں رحمت و مودت کی حرکت پیدا کر دی مہربانی و شفقت ان پر غالب ہو گئی تو اس زمانے میں لوگوں کے باہمی جھگڑے کم ہو گئے۔ آپس میں ظلم و تعدی کا لہدم ہو گیا۔ اگر شاذ و نادر کبھی ہوا بھی تو دربار رسالت میں پیش ہو کر فیصلہ ہو جاتا تھا۔ مرد مومن کی ایمانی کیفیت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ خطا کار دربار مصطفویٰ میں حاضر ہو کر اعتراف جرم کر کے اللہ کے حد و حد کو اپنے جسم و جان پر جاری کرنے کا خود مطالبہ کرتا تھا۔ جس امت کی یہ شان ہو وہ کسی قانون کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس کے لیے اس کا ایمان اور اس کے رب کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہی کافی ہوتی ہے۔ دولت اسلامیہ شام و عراق تک وسیع ہو گئی اسلام کا دائرہ پھیلنے لگا۔ دور دراز کے ملکوں میں لوگ گروہ درگروہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے مسلمانوں کے معاملات میں بذات خود فیصلہ کرنا متعذر ہو گیا تو انہوں نے محکمہ قضاء کو قوت نافذہ سے الگ کر دیا اس اعتبار سے قضاء کو حکومت سے الگ کرنے والے سب سے پہلے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جس کا نعرہ فرانسیسی فیلسوف مونتیسکو نے اٹھارویں صدی عیسوی میں لگایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ شریف میں حضرت ابو درداء کو بصرہ میں شریح کو۔ کوفہ میں ابو موسیٰ اشعری کو قاضی مقرر فرمایا؛

اسلام میں سب سے پہلے مقرر ہونے والے ینین قاضی تھے۔ امام زہری

اور امام ابن المسیب سے روایت ہے کہ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی قاضی مقرر کیا تھا نہ حضرت ابو بکر صدیق نے اور نہ حضرت عمر فاروق نے اپنی وسط خلافت تک کوئی قاضی مقرر کیا تھا۔ خلافت کے وسط آخر میں آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو قضیٰ انصاہ تھے کہا کہ آپ میرے بعض امور میں میری معاونت کریں اور جو خط آپ نے ابو موسیٰ اشعری کو قاضی مقرر کرتے ہوئے لکھا اس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم: اللہ کے بندے عمر بن خطاب امیر المؤمنین کی طرف سے عبد اللہ بن قیس کی طرف سلام علیک ابا بعد قضاء ایک اہم ترین فریضہ اور قابل اتباع سنت ہے۔ جب کوئی معاملہ پیش ہو تو اچھی طرح سمجھو اور جب خوب واضح ہو جائے تو اسے نافذ کرو اور اس لیے کہ جس فیصلہ کا نفاذ نہ ہو وہ بے فائدہ ہے۔ اپنی مجلس میں اپنے چہرے پر اور اپنے فیصلہ میں لوگوں سے مواساۃ کرو تا کہ کسی شریف کو افسوس نہ ہو اور کسی کمزور کو تیرے انصاف سے مایوسی نہ ہو۔ گواہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر ہے۔

جس صلح میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کیا گیا ہو وہ صلح جائز ہے جس نے عتاب حق کا دعویٰ کیا یا اس کے گواہ موجود نہ ہوں تو اس کے لئے عدت مقرر کر اگر وہ بیان کر دے تو اس کو اس کا حق دے دے اور اگر عاجز رہے تو اس کے خلاف فیصلہ دینا حلال ہو گیا اس میں قطع عذر اور دفع ضرر ہے۔ اگر تم نے آج ایک فیصلہ کر لیا ہے پھر اس میں خطا کا احساس ہو گیا ہے تو رجوع الی الحق میں کوتاہی نہ کرنا۔ اس لیے کہ حق دائمی ہے جسے کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔ حق کی طرف رجوع کرنا باطل پر اڑنے سے بہتر ہے۔ سب مسلمان آپس میں عادل ہیں مگر یہ کہ اس کا جھوٹ ثابت ہو چکا ہو یا اس پر حد جاری ہو چکی ہو یا قرب و لادریا نسب مانع ہو۔ پھر جس معاملہ میں دل میں خلش ہو اور کتاب و سنت میں اس کا حکم نہ ہو تو اس کے اشیاء و امثال سے حکم معلوم کرو اور اس کے نظائر پر قیاس کرو اور وہ فیصلہ کرو جو اللہ کو محبوب اور اس شبہ بالحق ہو۔



غصہ - شک - تنگدلی اور ملال سے بچو - اس لئے کہ حق فیصلہ میں اجر عظیم ہے جس کی نیت حق کا فیصلہ کرنے میں خالص ہو خواہ وہ فیصلہ اپنے نفس کے خلاف ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف خلوص کو قبول کرتا ہے۔ تم پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

اس خط سے فقہاء نے بہت اصول احکام کا استنباط کیا ہے حضرت علی بن ابی طالب صحابہ کرام میں سب سے بڑھ کر قاضی اور عالم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں ارشاد فرمایا: ”اتضاهم علی“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی ایسے مشکل مقدمے سے پناہ مانگا کرتے تھے جس میں ابوالحسن یعنی علی رضی اللہ عنہ نہ ہوں آپ کا مقولہ ہے لولا علی لہلك عمر ابن خلدون نے اپنی کتاب مقدمہ ابن خلدون میں لکھا ہے: ”سب سے پہلے جس نے قضاء کو علیحدہ کیا وہ حضرت عمر فاروق ہیں۔ مدینہ شریف میں ابو درداء کو بصرہ میں شریح کو اور کوفہ میں ابو موسیٰ اشعری کو قاضی بنایا اور ابو موسیٰ کو مکتوب روانہ کیا جس پر احکام قضاء کا مدار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قاضیوں کا انتخاب کرنے میں بہت سخت تھے۔ فرمایا۔ امیر کسی کو ذاتی تعلق کی وجہ سے امیر یا قاضی بنائے گا تو اس کے گناہوں میں برابر کا شریک ہوگا۔ اور اگر عام مسلمانوں کی مصلحت کے لئے بنائے گا تو اس کے ثواب میں شریک رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کسی انسان کو عامل بنایا اور اس کی رعیت میں اس سے بہتر موجود ہے تو اس نے اللہ رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی۔ متقدّمین میں سے ابن موزاک کا قول ہے کہ قاضی بنانا صرف عقل مند ذہین فقیہ کو جائز ہے جو جلد باز نہ ہو۔ صدر اسلام اور عہد اسلامی کے قاضی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اگر اس میں نہ پاتے تو قیاس سے کام لیتے اور اپنے فیصلوں میں رضاء الہی کو ملحوظ رکھتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کو مین روانہ کرتے ہوئے فرمایا کس طرح فیصلہ کرو گے تو عرض کی اللہ کی کتاب سے فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو عرض کی سنت رسول سے فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو عرض

کی پھر اجتہاد کریں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ الحمد للہ کہ اس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہے۔ عباسی عہد میں چونکہ فقہاء اربعہ کے مذاہب کا ظہور ہو چکا تھا اس لیے اس زمانہ کے قضاة اپنی رائے کی بجائے ان فقہاء کی آراء پر اعتماد کرتے تھے۔ عہد رسالت اور عہد جہالت کی قضاہ میں دو قسم کا بنیادی فرق تھا۔

۱۔ الزام فی الحکم۔ عرب زمانہ جاہلیت میں اپنے تنازعات کے لیے حکم مقرر کرتے تھے لیکن فریقین اس کے فیصلہ کے پابند نہیں ہوتے تھے۔

عہد رسالت تک یہی معمول تھا کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی مگر اس سے پہلے

تسلیمات تک۔ بخاری کی روایت کے مطابق اس کا سبب نزول یہ ہوا کہ حاطب نامی ایک انصاری کا زبیر بن عوام سے کج رویوں میں پانی دینے پر تنازع ہو گیا انصاری نے کہا پانی چلنے دو۔ زبیر نے انکار کیا دونوں نے یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کیا آپ نے زبیر سے فرمایا کہ اے زبیر پانی لگا کر اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو۔ انصاری نے ناراض ہو کر کہا اس لئے کہ یہ آپ کا پھوپھی زاد ہے وہاں سے نکلے تو مقدار ملا اس نے پوچھا فیصلہ کس کے حق میں ہوا انصاری نے کہا اپنے پھوپھی زاد کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ مقدار کے ساتھ ایک یہودی تھا وہ سمجھ گیا۔ اس نے کہا اللہ انہیں قتل کرے رسول اللہ بھی مانتے ہیں اور ان کے فیصلہ میں تہمت بھی لگاتے ہیں۔ بخدا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک گناہ کیا تھا۔ تو جانوں کے قتل کی تو بہ مقرر ہوئی۔ جسے ہم نے قبول کر لیا تو بہ میں ہمارے ستر ابرار قتل ہو گئے تب اللہ راضی ہوا ثابت بن قیس نے یہ سن کر کہا بخدا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خود کشی کا حکم دین تو میں خود کو قتل کر لوں گا ابن مسعود۔ عمار بن یاسر۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہم سب نے ایسا ہی کہا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک روایت یہ بھی ہے دو آدمیوں کا تنازعہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درمیان فیصلہ کیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے یہ تنازعہ حضرت عمر فاروق کے سامنے پیش کرنا چاہا۔ دونوں حضرت عمر فاروق کے

پاس آئے تو دوسرے شخص نے بتلادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا ہے یہ مجھے آپ کے پاس لے کر آیا ہے آپ نے کہا کیا ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے کہا ٹھہرو میں آتا ہوں آپ نگلی تلوار لے کر آئے اور منکر کو قتل کر دیا۔ لہذا آیت مذکورہ کے تحت عدالت کے فیصلہ کو تسلیم کرنا لازمی ہو گیا۔

۲. معین قاضی کا تقرر۔ زمانہ جاہلیت میں کسی حکم کے فیصلہ کو کوئی فریق پسند نہ کرتا تو کسی دوسرے کو حکم بنا لیتا۔ اس کا فیصلہ بھی قبول نہ ہوتا تو تیسرے کو حکم بنا لیتے۔ دونوں کے راضی ہونے تک اسی طرح حکم بدلتے رہتے۔ عہد رسالت مآب میں بشر منافق کا ایک بیڑی سے زمین پھلکا ہو گیا یہودی نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے کی دعوت دی تو منافق نے انکار کر دیا۔ اسی طرح مغیرہ بن ورقہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پانی اور زمین کے بارے میں تنازعہ ہوا تو حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے کی پیش کش کی تو مغیرہ نے انکار کر دیا کہ محمد مجھ سے بغض رکھتے ہیں وہ میرے ساتھ انصاف نہیں کریں گے ابن الماتم کی روایت ہے کہ جب کسی شخص کا دوسرے سے تنازعہ ہوتا اور وہ حق پکڑتا تو آپ سے فیصلہ کرانا چاہتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حق میں فیصلہ کریں گے۔ اگر اس کی زیادتی ہوتی تو آپ کی عدالت میں پیش ہونے سے اعراض کرتا اور کسی دوسرے کے پاس جانے کو کہتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِذَا دَعَا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيُحْكَمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ

مَعْرَضُونَ وَإِنْ لَيْكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ

أَمْ آتَابُوا أَمْ يَخْتَفُونَ إِنْ يَخِيفُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولَهُ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دَعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيُحْكَمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا

وَاطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورہ نور: ۲۸)

اور اس آیت کے تحت اب کسی کو قاضی کے فیصلہ سے پھرنے اور دوسرے

کو قاضی بنانے کا اختیار نہ رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام قاضی کی طرح مقدمہ کے ظاہری حالات کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے نہ کہ بوصف نبوۃ اور آپ نے مسلم کی اس حدیث میں اپنی اسی حیثیت کی طرف اشارہ فرمایا حضرت ام سلمہ زوج النبی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میرے پاس اپنے تنازعات لاتے ہو، ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی زیادہ حجت باز ہو اور میں اس کی حجت سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو اگر میں کسی کو اس کے بھائی کا حق دے دوں تو اسے لینا نہیں چاہیے۔ کیونکہ وہ جہنم کا ٹکڑا ہے۔ لہذا جب آپ اپنی رائے سے فیصلہ دیتے تو اس میں خطا کا احتمال ہوتا تھا۔ لیکن جو حکم بذریعہ وحی دیتے تھے اس میں ہرگز خطا کا احتمال نہیں ہوتا تھا۔

## آزادی عدالت

ابن خلدون نے کہا انسان باطن مدنی ہے جس کے نتیجے میں انسان جماعت کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتا اور اجتماعی زندگی کے لئے کچھ قواعد و ضوابط کی ضرورت ہے جن کی تمام افراد پابندی کریں تاکہ ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت ہو سکے ان قواعد ہی کا نام قانون ہے۔ پس قانون وہ قواعد و ضوابط ہیں جن سے افساد اور جماعت کے تعلقات مستحکم ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص اپنی ذاتی غرض اور نفسانی خواہشات کے لئے ان میں خلل اندازی کرتا ہے تو ایک اعلیٰ اجتماعی نگران ادارہ کی ضرورت پڑتی ہے جو قانون پر عمل کرا سکے۔ اسی ادارہ کا نام قضاء ہے پس ایک متمدن معاشرہ میں قضاء کا وجود اور قانون کا وجود باہم لازم و ملزوم ہیں۔ جس قدر یہ ادارہ قوی ہوگا اتنا ہی وہ معاشرہ زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ ہوگا۔ علماء نے وظیفہ قضاء کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ حکم شرعی کی علی سبیل الامام خبر دینا ہے۔ قاضی جو کتا ہے اس میں الزام و اجبار کی صفت ہوتی ہے وہ محض فتویٰ نہیں ہوتا گویا قانون فرع ہے تو قضاء اس کا جسم ہے۔ بلاد اسلامیہ پر استعمار مسلط تھا تو عدالت اجنبی

باغلوٹ تھی جس کی وجہ سے ان ممالک کی سیادت ناقص تھی۔ پس عدالت کی آزادی سے اس ملک کی آزادی ہوتی ہے۔ جب اسلام نے حکمت اور حضارۃ کی تشکیل کی تو طویل عرصہ تک متمدن دنیا کے بڑے حصے پر اس کا غلبہ رہا اس لئے کہ اس کی حضارۃ میں عمدہ شریعت اور بہترین قضائی نظام تھا۔ جس نے اس کو سیاسی بزرگی عطا کر دی۔ حضارۃ اسلامیہ کے سایہ میں نظام قضاء قانونی بنیادوں پر قائم تھا جس کی مثال دنیا کی متمدن قومیں تا حال نہیں پیش کر سکیں لیکن بعد کے زمانوں میں دوئل اسلامیہ کو جو پس ماندگی نصیب ہوئی اس کا اثر حضارۃ اسلامیہ کے تمام شعبوں پر پڑا۔ نظام قضاء بھی ان شعبوں میں سے ایک ہے۔ پس سیاسی استبداد آزادی قضاء پر غالب آگیا اور اخلاقی فساد نے قضاء کی ترقیت و تجدد کو گہنا دیا۔ فقہ جاند اور باب اجتہاد مقفل ہو گیا اس طرح قضاء کا ہاتھ شل ہو گیا اور اس پر جمود طاری ہو گیا۔ لیکن الحمد للہ بیسویں صدی کے شروع سے ممالک اسلامیہ میں نئی بیداری کی ابتداء ہو گئی ہے بد نظمی اور پس ماندگی کو دور کرنے کے لئے محکمہ قضاء اور قانون سازی کی اصلاح کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ اقوام عالم کے سیاسی تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ مملکت کے تین ستون قانون سازی اس کا نفاذ اور عدالت اگر ایک ہاتھ میں ہوں گے تو سرکشی۔ استبداد اور ظلم کا سبب بنیں گے۔ جمہوری نظام کی بنیاد ان تینوں کی علیحدگی اور آزادی پر ہے تاکہ کوئی محکمہ دوسرے پر دست درازی نہ کر سکے۔ فقہاء اسلام کا اجماع قاضی کی آزادی اور اس کو اپنے ضمیر کی آواز پر عمل کرنے دیتا ہے۔ ممالک اسلامیہ میں قاضی حضرات خلفاء اور دیگر حکام کے مقابلے میں ایک خاص قدر و منزلت کے مالک ہوتے تھے جس کے شواہد تاریخ اسلامی میں بے شمار ملتے ہیں جو صدر اسلام اور مسلمانوں کے عروج و ترقی کے زمانہ میں عدالت کی آزادی استقلال پر دلالت کرتے ہیں۔ قاضی کے عمل کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ قاضی پر اس کے ضمیر اور قانون کے سوا کسی اور چیز کا دباؤ نہیں ہونا چاہیے اس کا ضمیر آزاد ہو جو کسی خارجی دباؤ کے بغیر قاضی کو انصاف اور حق کی طرف رہنمائی کرے۔

عدالت پر خارجی دباؤ کا اندیشہ اکثر قانون ساز اور تنفیذی اداروں کی طرف سے رہتا ہے۔ حکومت کے اداروں میں اہم ترین ادارہ قوتہ تشریعی ہے کیونکہ وہ عدالتوں اور انتظامیہ کے لیے قانون وضع کرتی ہے انتظامیہ اور عدالت کا کام ان قوانین کو عوام پر منطبق کرنا ہے۔ پس عدالت ہی جسد قانون میں روح پھونکتی ہے ہیئت تشریعیہ کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ عدالت کی آزادی میں دخل دے۔ اس پر تمام دساتیر عالم کا اتفاق ہے حقیقت یہ ہے کہ قانون ساز اداروں کا محکمہ قضاء پر سب سے اہم تسلط یہ ہے کہ وہ قاضیوں کی تنخواہوں کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور ایسے قوانین وضع کر سکتے ہیں جن کے ذریعہ وہ قاضی کے ضمیر اور اس کے وجدان پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ قوتہ تشریعیہ سے زیادہ انتظامیہ کو عدلیہ پر اثر انداز ہونے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ملک میں تمام قوتوں کا سرچشمہ وہی ہے۔ خصوصاً جب کہ کسی مقدمہ کی ایک فریق حکومت ہی ہو۔ بلکہ انتظامیہ بعض اوقات قوتہ تشریعیہ پر بھی اثر انداز ہو جاتی ہے تو وہ مطلق العنان بن جاتی ہے قانون کی حکمرانی کمزور بلکہ معدوم ہو جاتی ہے ایسی صورت میں اس کے آگے اگر بندھ باندھ سکتی ہے تو صرف عدلیہ ہی باندھ سکتی ہے۔ صرف ایک آزاد عدلیہ ہی قانون کی سیادت کی ضامن ہے اور قانون کی بالادستی ہی اجتماعی اور انفرادی حقوق کی ضمانت دے سکتی ہے جس قدر اس کی آزادی میں کمی آئے گی اتنا ہی اجتماعی اؤ فرد کے حقوق اور ان کی آزادی میں خلل آئے گا اور بالآخر پورا معاشرہ تہذیب و تمدن سے محروم ہو جائے گا۔ اسی لیے دساتیر عالم عدلیہ کی آزادی اور انتظامیہ کے مقابلے میں اس کی ہیئت قائم کرنے میں زور دیتے ہیں اور دستور میں قانون ساز اداروں اور انتظامیہ کو اس کا صراحتاً پابند کر دیا جاتا ہے کہ وہ عدلیہ کی آزادی میں خلل انداز نہیں ہونگے، بعض قاضی خصوصاً جن کا اس عہدہ پر بنانا یا تقرر ہوا ہو وہ محض اپنی آزادی کے اظہار کے لیے کسی قوی فریق کے خلاف خصوصاً حکومت کے خلاف فیصلہ دینے کو عدل سمجھتے ہیں یہ میلان باطل ہے۔ اس لیے کہ قاضی کو ایسے میلان سے پاک ہونا چاہیے اس کی نظر اور فکر امر تنازعہ کی نوعیت پر ہونی چاہیے قطع نظر کرتے ہوئے تنازعہ کی شخصیات اور ان کے اخلاق و برتاؤ سے۔ قاضی پر لازم ہے

کہ جب وہ اپنے دل میں کسی ایک فریق کے خلاف میلان کو محسوس کرے تو مقدمہ کو کسی دوسری عدالت میں بھیج دے۔ اسی طرح کسی فریق کی غربت اور خستہ حالی کو دیکھ کر اس کے حق میں غلط فیصلہ دے دینا اگرچہ اس کا نشا و منشا و مبنی شفق و رحمت انسانی پر ہے بہر حال عدالت سے انحراف اور اپنی ذاتی پسند کی طرف راری ہے حق رسی نہیں ہے پس قاضی کا رہنا اور ہدف صرف اور صرف عدل ہے۔ واجب ہے کہ عدالت کی سوچ قاضی کی روح۔ اس کے گوشت پوست اور خون میں رچ بس جائے قاضی کے نفس اور اس کے شعور پر ایک عظیم دباؤ رائے عامہ کا بھی ہوتا ہے۔ انسان کا مقام جتنا بلند ہوتا جائے گا اور معاشرہ میں اس کی شان بڑھتی جائیگی اتنا ہی رائے عامہ کا اسے احساس زیادہ ہوتا جائے گا۔ قاضی عبداللہ بن وہب کا قول ہے من احب المال و اشرف و خاف اللہ و ساء لم یعدل جو مال اور شرافت سے محبت کریگا اور حکام سے ڈر گیا وہ انصاف نہیں کر سکتا۔ لہذا جس دارالقضاء میں رائے عامہ کا اثر ہوگا وہاں سے عدل کے فرشتے کوچ کر جائیں گے خصوصاً جب کہ قاضی کے سامنے عوام کی لچپی و الامعاہلہ در پیش ہو جو ہر اس کے فیصلہ کے شدت کے ساتھ منتظر ہوں بلکہ بہت سے لوگ عدالت سے پہلے ہی اپنا فیصلہ سنا دیتے ہوں ایسی رائے عامہ قاضی کی آزادی کے لیے سخت خطرناک ہوتی ہے۔ اس دباؤ کا مقابلہ بہت قوی شخصیت اور عمیق فکر والا قاضی ہی کر سکتا جو حق و انصاف کے مقابل میں لوگوں کی باتوں اور ان کی تنقید کی پرواہ کرنے والا نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: قضاء کے لائق صرف وہی مضبوط آدمی ہو سکتا ہے جو حق اللہ میں کسی ملامت اور عوام کی ناراضی کی پرواہ کرنا والا نہ ہو بلکہ تعین کامل رکھتا ہو کہ عدل و انصاف کیلئے عوام کی حتیٰ بھی ملامت اور ناراضگی مول لیگا اسکے انعام میں اتنی ہی رضاء اللہی حاصل کرے گا۔ پس جو لوگ عوام کی تالیوں کے خواہشمند ہوں۔ وہ سیاستدان بن سکتے ہیں قاضی نہیں۔ اس لیے کہ قاضی کو تو صرف اپنے ضمیر کی رضا اور تنفیذ قانون مقصود و مطلوب ہونا چاہیے۔ جو قاضی اس کے سوا کسی اور چیز مثلاً شہرت۔ رفعت۔ لوگوں کی رضا کا طالب ہوگا وہ قضاء کا اہل نہیں۔ لیکن بیدار رائے عامہ جو محکمہ تشریحیہ

محکمہ تنفیذ اور محکمہ قضاء پر نگاہ رکھے جو انہیں بھٹکنے سے بچائے اس کی فضیلت و افادیت مسلمہ ہے۔ ایک اور اہم ترین امر جو عدالتوں کی آزادی پر ضرب کاری لگاتا ہے وہ قانون کی تقرری۔ ترقی۔ تنزلی کا کسی ایک شخص کو اختیار دینا ہے جو قضا کو اس شخص کی رضا کا حریص بناتا ہے اور اس طرح عدالت انتظامیہ کی ممد و معاون اور اس کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بن کر رہ جاتی ہے اس کا سدباب کرنے کے لیے قاضیوں کے ترقی تنزلی۔ تقرر و تبادلہ کے لیے ایسے قواعد و ضوابط مقرر ہونے چاہئیں جن میں کسی کو مداخلت کرنے کا اختیار نہ ہو۔ عدالت پر اثر انداز ہونے کی ایک اور جہت فریقین میں سے کسی ایک کا قاضی کا ہم عقیدہ یا سیاسی ہم خیالی ہونا بھی ہے لہذا قاضی کو ایسے تعصب سے بالاتر ہونا بھی ضروری ہے۔

اسلامی تاریخ میں امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے جو ہارون رشید کے زمانہ میں قاضی القضاة تھے مروی ہے کہ آپ بوقت وفات اکثر استغفار کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ مجھے اس امر کا والی بنایا گیا۔ میں کسی فریق کی طرف بھی مائل نہیں ہوا مگر ایک نصرانی کے مقدمہ میں جو ہارون رشید کے ساتھ تھا اس مقدمہ میں میں نے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا جب کہ میری ننا یہ تھی کہ کاش حق رشید کی جانب ہوتا اے اللہ اس میلان قلبی پر میں تجھ سے استغفار کرتا ہوں یہ کہا اور رونے لگے، حاشیہ ابن عابدین جلد ۴، استقلال قضاء کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ قاضی کو قانون کی نص کی پابندی کرنی چاہیے یا اپنی ضمیر کی جب کہ نص قانونی اور اپنے ضمیر و وجدان میں تعارض محسوس کرتا ہو۔ اس بارے میں دو نظریے ہیں ایک یہ کہ اصل مقصد عدالت ہے۔ قوت تشریحیہ۔ قوت نافذہ محکمہ قضاء ان سب کا اصل ہدف انصاف کو قائم کرنا ہے۔ نصوص قانونیہ کا مقصد بھی عدل و انصاف کو قائم کرنا ہے لہذا ایسے موقع پر نص قانون کی پرواہ کیے بغیر مقصد اصلی یعنی عدالت کو ترجیح دے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ قانون ہی وہ پناہ گاہ ہے جس کی طرف مظلوم پناہ لیتے ہیں۔ قانون ہی کی یہ شان ہے کہ لوگوں کا اطمینان اسی کی تطبیق میں حاصل ہوتا ہے اس لیے کسی انسان کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اسے یہ حق نہیں دیا



جاسکتا کہ عدل و انصاف کا نام لے کر نصوص قانونیہ میں اپنی رائے کو دخل دے لہذا اسے قانون کی نص سے ایک بال برابر بھی ہٹنا نہیں چاہیے جس طرح قانون ساز ادارے کو قاضی کے وجدان میں دخل کا حق نہیں اسی طرح قاضی کے وجدان کو ادارہ تشریحیہ کے حقوق میں مداخلت کا حق نہیں۔ اگر ہم قاضی کو ایسا حق دے دیں تو دوسرے قاضی کا ضمیر کچھ ادر کبھیگا اور تیسرے کا ضمیر کچھ ادر اس طرح قانون مکرر ہو کر رہ جائے گا۔ اہل حق کا موقف یہی ہے کہ عدالت اور قانون لازم ملزوم ہیں۔ ایک ماہر قاضی وہی ہے جو قانون اور عدالت میں تطبیق دے دے۔ حرج کمزور کو ہی پیش آتا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ما العوجت مدة الا وتخلصت۔ میں کبھی حرج میں نہیں پڑا مگر یہ کہ اس سے نکل گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اما احسرت قط۔ میں کبھی حرج میں پڑا ہی نہیں کہ نکلنے کی ضرورت پڑے تاہم اس فقہی قاعدے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لایستدر تخییر الاحکام بتغییر الزمان۔ یعنی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زمانوں کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں لہذا قاضی کو ہمیشہ چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے قانون کی نص اور عدالت کے درمیان تطبیق و توفیق کی کوشش کرے۔

## قاضی کا انتخاب و تقرر

افلاطون نے اپنی کتاب الجموریتہ میں قاضی اور طبیب کو برابر کیا ہے کہ دونوں معاشرے کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں طبیب جسمانی بیماریوں کا اور قاضی روحانی و اخلاقی بیماریوں کا۔ اسی کی تائید حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس قول سے ہوتی ہے یحدث للناس من الاقصیة بقدر ما یحدث لہم من الفجور یعنی لوگوں میں جس قدر بد اخلاقی برے گی اسی قدر تنازعات و خصومات کی بھرمار ہوگی۔ لہذا قاضی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ہاتھ معاشرہ کی اخلاقی بنص پر ہو۔ اسے نفوس بشریہ کے قواعد اور میلانات و رجحانات و احساسات طبائع و غیر ائز

پر گہری نظر ہو معاشرے کی عادات اخلاق اور ان کے عرف کا جاننے والا۔ لوگوں کے قصص حکایات اور امثال سے واقف ہو، لہذا المستشار محمد فتحی کا اپنی کتاب "علم النفس الجنائی" میں یہ قول کہ قاضی کا علم النفس سے جاہل ہونا ایسا ہی ہے جیسے کوئی طبیب اعضا کے وظائف سے جاہل ہو۔ قاضی کا صرف مواد قانون کو پڑھ لینا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی طبیب ہر مرض کی دوا کو یاد کر لے اور اسے مرض کی تشخیص۔ اختلاف طبائع اور اس کے مطابق دواؤں کی تعیین کا پتہ نہ ہو۔ لہذا اس ذمہ داری کے اٹھانے کی اہلیت وہی رکھتا ہے جو علم عقل اور معرفت میں اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہو۔ امام زہری سے روایت ہے کہ "میں باتیں ہیں جس میں یہ ہونگی وہ قاضی نہیں بن سکتا وہ لوگوں کی ملامت سے ڈرتا ہو" (۲)، اپنی تعریف کو پسند کرتا ہو (۳)، اپنی معزولی سے کراہت کرتا ہو، "مجمع الانہر" میں ہے القضاء بالحق من اقوی القرائض، و افضل العبادات بعد الايمان بالله حتى كافيصله كراي سب سے قوی فریضہ اور ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے نیز۔ والحاكم نائب الله في انصاف المظلوم من الظالم۔ ظالم سے مظلوم کا حق دلانے میں حاکم اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کا نائب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کا کام ہی اللہ کی کتاب کے مطابق حکم کرنا بتایا ہے۔  
انا انزلنا التوراة فیہا ہدی و نور یحکم بہا النبیون۔

قاضی ایسا شخص ہونا چاہیے جو دین داری کی وجہ سے حرام سے بچتا ہو لوگوں کو اس کی دینداری۔ پاکدامنی عقل و صلاحیت پر اعتماد ہو۔ سخت مگر بدخلق نہ ہو نرم مگر کمزور نہ ہو۔ قاضی بد مزاج جھگڑالو نہ ہو کیونکہ قضاء دفع فساد ہے اور یہ عین فساد ہیں۔ لہذا سلطان کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو تلاش کر کے جو سب سے بہتر ہو اسے قاضی بنائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من تلد انسانا عملا و فی رعیتہ من ہو اولیٰ منہ۔ فقد خان اللہ و خان رسولہ و خان جماعة المسلمین۔ جس نے کسی کو عامل بنایا حالانکہ لوگوں میں اس سے بہتر موجود ہو تو اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ من استعمل

فاجد اوھو یعلم انه فاجد فھو فاجد مثلہ۔ جس نے کسی فاجر کو جانتے ہوئے کہ فاجر ہے عامل بنایا تو وہ بھی اسی کی طرح فاجر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کعب بن سعد ازدی کی ذکاوت کو دیکھ کر اسے فوراً قاضی مقرر کر دیا ہوا یوں کہ کعب حضرت عمر کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک عورت آکر کہنے لگی میں نے اپنے خاوند سے افضل کوئی نہیں دیکھا وہ رات کو قیام میں دن کو روزے میں بسر کرتا ہے حضرت عمر نے اس کے لیے استغفار کرتے ہوئے اس کے اپنے خاوند کے ذکر خیر کو پسند کیا اس پر کعب نے چپکے سے آپ کے کان میں کہا یا امیر المؤمنین یہ عورت اپنے خاوند کی شکایت کر رہی ہے کہ وہ اس کے حقوق و زوجیت ادا نہیں کرتا۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا ایسا ہی ہے تو کعب نے کہا جی ہاں۔ آپ نے عورت سے فرمایا تو سچ کہتی ہے ان کا خیال ہے کہ تو اپنے خاوند کی شکایت کر رہی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں میں ایک جوان عورت ہوں اور عورتوں کی طرح خواہش رکھتی ہوں۔ اس پر حضرت عمر کعب کی ذکاوت پر خوش ہوئے اس کے خاوند کو بلایا اور کعب کو ان کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا۔ کعب نے کہا میں چار دنوں میں سے ایک دن بیوی کا اور باقی تین دن اس کی عبادت کے لیے مقرر کرتا ہوں آپ نے اس کے فیصلہ کو پسند فرمایا اور کعب کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا پس قاضی کا انتخاب اس کی معاملہ فہمی حکم کی علت اور اسباب کے سمجھنے پر ہوا۔ اس سلسلہ میں بہتر بنیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ مکتوب ہے جو آپ نے اپنے گورنر مصر اشتر نخعی کو لکھا تھا آپ نے لکھا۔ ثم اختر للحکم بین الناس افضل رعیتک فی نفسك ممن لا تضیق بہ الامور۔ ولا تمحکہ الخصرم۔ ولا تیمادی فی النزلة ولا یحصرون الفئی الی الحق اذا عرفہ ولا تشرف لنفسہ علی طمع۔ ولا یتقمی باری فی فہم دون اتصاہ وادفعہم فی آخذہم بالحبیح واطلہم تبیرا بما رجعت الخصرم واصبرہم علی تکشف الامور واصدمہم عند اتضاع الحکم ممن لا یزدهیہ اطراء۔ ولا یتسمیلہ اغراء واولئک قلیل۔ ثم اکثر تعاهد قضائہ وافصح لہ فی البذل ما ینزیل علتہ وتقل معہ حاجتہ الی الناس واعطہ من المنزلة لیدیک ما لا یطمح فیہ غیرہ من خاصتک۔ لیا من بذلک اغتتال الرجال لہ عندک

فانظر في ذلك نظر ابلينا۔ یعنی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے ایسے  
 شخص کا انتخاب کہ جو تیری رعیت میں تیرے نزدیک علم خلق اور فہم میں سب  
 سے افضل ہو۔ گہری سوچ رکھنا ہو۔ معاملہ فہمی میں پوری کوشش کرتا ہو۔ متخاصمین کی کسی  
 بات پر بھڑک نہ اٹھے یعنی ٹھنڈے دل و دماغ والا ہو۔ وسیع الصدر ہو کہ معاملہ کی ترہک  
 پہنچنے میں جلد بازی نہ کرے۔ شبہات سے خوب واقف ہو۔ مغرور اور خود پسند نہ ہو یہ  
 تو قاضی کے واجبات ہیں قاضی کا حق یہ ہے کہ مادی طور پر اسے اتنا سخی کر دیا جائے  
 کہ اسے اپنی ضروریات زندگی کے لیے کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے اور معنوی طور پر  
 اس کے مرتبہ اور منصب کو اتنا بلند کر دیا جائے کہ اسے اپنی ضروریات زندگی  
 کے لیے کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے اور اس کے احکامات و فیصلہ  
 جات کو ایسا تقدس حاصل ہو کہ انہیں نافذ کرنے میں حکومت و سلطنت  
 کی کوئی مصلحت بھی مانع نہ ہو سکے۔ اس کے بغیر آزادی اور جمہوریت کا  
 مفہوم ختم ہو جاتا ہے اور حق صرف طاقتور کے لیے رہ جاتا ہے پس  
 قاضی کا انتخاب ایک اہم ترین معاملہ ہے اسی لیے حضرت عمر  
 فاروقؓ نے فرمایا جس نے کسی فاحش کو یہ جانتے ہوئے کہ  
 فاجر ہے عامل بنایا تو وہ خود بھی اس کے مثل فاجر ہے  
 صدر اسلام میں صرف خلیفہ ہی قاضی کا تقدیر کرتا تھا۔ سب  
 سے پہلے حضرت عمرؓ ابن عاص والی مصر کو مصر کے لیے قاضی مقرر  
 کرنے کا اختیار دیا بعد ازاں یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ کبھی خلیفہ کی طرف  
 سے تقدیر ہوتا اور کبھی اس کا نائب بھی اپنی ولایت میں تقدیر کر دیتا  
 ہارون رشید کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی ایجاد ہوا اور اس عہدہ  
 پر سب سے پہلے مقرر ہونے والے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تھے اور  
 ہارون رشید نے امام ابو یوسف کو قاضی مقرر کرنے کا اختیار بھی دے دیا تھا۔

## قاضی کی ہیبت و حرمت

قاضی کی ہیبت اور حرمت قائم کرنے کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا تھا تاکہ اس کے فیصلوں کو مانا جائے اور کسی کو ان پر عمل کرنے کے بغیر چارہ نہ ہو اس لیے کہ حکم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے ”ان التحکم الا للہ“ نیز فرمایا ”ادودانا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق“۔ اسی لیے عدالت کو توہین و تحقیر سے محفوظ و مامون رکھنے کے لیے قوانین وضع کیے جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے بھی اس سلسلہ میں ”فلا وربک لا یؤمنون حتی یکفوک فیما شجرت بینہم ثم لا یجحدوا فی انفسہم حدجا ما قضیت ویسلموا تسلیمافرا کتقاضی اور اس کے حکم کے احترام کو لازم قرار دے دیا۔ تیسری صدی ہجری عہد رشید میں عدالت کی عزت اور وقار کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ ایک شخص قاضی واسط ابوالموفق سیف بن جابر کی عدالت میں آکر یہودہ بولنے لگا قاضی نے اسے قید کر دیا۔ سلیمان نے اس کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے اسے اپنی ذات کے لیے قید کر دیا ہے آپ اسے چھوڑ دیں۔ قاضی نے کہا واللہ میں نے اسے اپنی ذات کے لیے قید نہیں کیا۔ اگر میں قاضی نہ ہوتا اور مجھے گالی دیتا تو میں اسے کچھ نہ کہتا میں نے اسے مسلمانوں کے مفاد میں قید کیا ہے۔ اس لیے کہ قاضی کی اہانت اس کے فیصلوں کی اہانت ہے جو تمام مسلمانوں کی اہانت پر منتج ہے اصمعی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا میں ایسے شخص کو قاضی بناؤں گا جسے دیکھ کر مجرم مرعوب ہو جائے۔

روایت ہے کہ ہارون رشید حیرہ آیا اور چالیس دن مقیم رہا تو حیرہ کے تمام اشراف و حکام اس کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن وہاں کا قاضی قائم بن معن نہیں آیا۔ فضل نے کہا امیر المؤمنین سب اشرف و عمائدین شہر حاضر ہوئے لیکن قاضی نہیں آیا۔ رشید نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اسے معذور کر دوں

واللہ میں اسے معزول نہیں کروں گا۔ تاریخ میں بتاتی ہے کہ خلافت امویہ اور عباسیہ میں حکام امراء۔ وزراء اور ولایت کا عزل وحبس بکثرت ہوتا رہتا تھا لیکن قاضیوں کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ کیونکہ جہور کے ڈر سے قاضی کو معزول کرنے کے لیے خلیفہ کو بہت سوچنا پڑتا تھا۔ قاضی ابوداؤد کی عدالت میں ابراہیم بن مہدی کے خلاف بخت یشوع طیب کا مقدمہ پیش تھا۔ ابراہیم نے بخت یشوع سے سخت کلامی کی تو قاضی نے اسے ڈانٹا اور عدالت کی توقیر و تعظیم ملحوظ رکھنے کا حکم دیا تو ابراہیم نے فوراً معذرت کی اور سخت کلامی کے عوض ابراہیم اپنے حق سے دست بردار ہو گیا اور متنازعہ زمین سے اپنا حق بخت یشوع کو ہبہ کر دیا۔

## امتناع عن القضاء

منصب قضاء جتنا اہم ہے اتنا ہی اس کی ذمہ داریوں سے عمدہ برآ ہونا بھی مشکل ترین ہے اسی لیے اکثر اکابرین اسے قبول کرنے سے محترز رہے۔ اسلامی تاریخ اس کے شواہد سے پر ہے اس کی وجہ وہ تحذیر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے بایں الفاظ صادر ہوئی۔ قاضی فی الجنة وقاضیان فی النار۔ ایک قاضی جنت میں ہوگا اور دو قاضی جہنم میں ہوں گے۔ ایک جو بوجہ جمالت غلط فیصلہ دے دوسرا وہ جو دانستہ ظلم غلط فیصلہ دے صرف وہ قاضی جنت کا مستحق ہے جو علی وجہ البصیرة صحیح فیصلہ دے۔ دوسری حدیث پاک میں آیا ”من ولی القضاء فقد ذبح بغیر سکیں۔ جو قاضی بنایا گیا اسے تو بغیر پھری کے ذبح کر دیا گیا نیز فرمایا الولایة اولہا ملامة ووسطہا ندامة وآخرہا عذاب یوم القیامة لیث بن سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، من ولی ولایة فاحسن فیہا اوساء الخی بہ یوم القیامة وقد غلت یمینہ الی عنقہ فان کان عدلانی احکامہ اطلق من اغلالہ وجعل فی ظل عرش الرحمن وان کان غیر عدل فی احکامہ غلت

شمالہ الی یبیسہ فی عرقہ حتی یغرق فی جہنم۔ مسئولیۃ  
 قضاء کو قرآن کریم میں بدیں الفاظ بیان کیا گیا یا ایہا الذین آمنوا  
 کونوا اتقوا لیکن اللہ - شہداء بالقسط۔ ولا یجر منکم شنان  
 نوم علی الاتعدلوا۔ اعدلوا هو اقرب للتقوی۔ حضرت امام  
 ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ عمدہ متعدد مرتبہ پیش کیا گیا آپ نے انکار  
 کر دیا اور وقت وفات تک انکار پر قائم رہے۔ اسی طرح قاسم بن ربیع  
 عبد اللہ بن وہب۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ مصعب بن عمر ان  
 محمد بن عبد السلام الحنفی۔ ابن فروغ وغیر ہم وہ متقی علماء و فضلاء تھے جنہوں نے  
 بخت و رع و تقویٰ اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا مطلب  
 یہ نہیں کہ عمدہ قضاء کا قبول کرنا ناجائز ہے نہیں بلکہ مصالح عامہ کیلئے ضروری  
 ہے۔ ان روایات کا مقصد منصب قضاء کی اہمیت کو واضح کرنا ہے قاضی  
 بنانیوالے کو تنبیہ کرنا ہے کہ اہل۔ ایماندار متقی اور غیر متعصب کو قاضی بنائے  
 اور قاضی بننے والے کو خبردار کرنا ہے کہ اس منصب کو مادی جلب منفعت  
 کا ذریعہ سمجھ کر قبول نہ کرے بلکہ اس کی نیت اقامتہ عدل حق رسانی اور ازالہ  
 ظلم ہو جیسا کہ زیاد بن عبد الرحمن کے بارے میں مروی ہے کہ جب خلیفہ  
 ہشام نے اسے قاضی بننے پر مجبور کیا تو زیاد نے کہا اگر آپ مجھے مجبور ہی کرتے  
 ہیں۔ تو میں اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میرے پاس آپ  
 کے ظلم کی شکایت لے کر آیا تو میں تمہارے ہاتھ سے اس کا حق چھین کر  
 اسے واپس کروں گا۔ ہشام نے یہ شرط قبول کی تو زیاد نے یہ عمدہ  
 قبول کیا۔

## الحکام قدوة القضاء

حدیث پاک ہے۔

جب راسخی یعنی حاکم ٹھیک ہوگا تو رعیت بھی ٹھیک ہوگی۔ پس حکام خوان بادشاہ ہوں خلیفہ یا امیر صالح ہوں گے تو قوم بھی صالح ہوگی اگر یہ فاسد ہوں گے تو قوم بھی فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح قاضی بھی عدل و انصاف قائم کرنے میں عموماً اپنے حکام کے تابع ہوتے ہیں۔ صالح حاکم اقامت عدل میں صالح قاضی سے تعاون کرے گا اگر حاکم کا دل عدل و انصاف کی روح سے عاری ہوگا تو اس کا قاضی بھی عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہے گا۔ اس لیے کہ قاضی اپنے فیصلوں کی تنفیذ میں حکومت کی قوت کا محتاج ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود سپیکر عدل و انصاف تھے تو ان کی سلطنت کے چپہ چپہ پر عدل کا سکہ چلتا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص جو ایک جلیل القدر صحابی۔ فاتح مصر ہیں ان کا لڑکا مصر میں ایک قبطی کو اس لیے مارتا ہے کہ قبطی اس سے سبقت کیوں لے گیا۔ قبطی مدینہ آکر خلیفہ سے شکایت کرتا ہے حضرت عمرؓ بلا تاخیر عمرو بن عاصؓ اور اس کے بیٹے کو مصر سے طلب کر لیتے ہیں اور قبطی کے ہاتھ میں کوڑا دے کر کہتے ہیں کہ مارا اس شریف زادہ کو اور دنیا نے دیکھا کہ ایک فاتح غالب گورنر کے بیٹے کو ایک مقتوح مغلوب قوم کا فرد سب کے سامنے کوڑے مار کر اپنا بدلہ لے رہا ہے اس کے بعد حضرت عمر نے والی مصر عمرو بن عاص کو جو فقہ کہا وہ عدل و انصاف کی دنیا میں آج بھی ضرب المثل ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم استعبدتم الناس وقد ولدتہم امہ انہم اعداء۔ اسے عمر نے لوگوں کو جن کو ان کی ماؤں نے آزاد جتنا ہے کب سے اپنا غلام بنا لیا ہے اور حضرت عمر کا یہی فقرہ آج اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کے چارٹ کی بنیاد ہے۔ یہ ہے اسلامی عدل کا نمونہ جس کی مثال پیش کرنے سے آج کی متمدن قومیں بھی قاصر ہیں۔ جب کہ اسلامی تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے پر ہے غسانی بادشاہ جبکہ طواف کر رہا تھا اس کی چادر کسی دیہاتی کے پاؤں کے نیچے آگئی جبکہ نے دیہاتی کو طمانچہ دے مارا۔ دیہاتی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کر دی آپ نے جبکہ کو طلب کر کے دیہاتی کو کہا اسے طمانچہ مار جبکہ نے کہا میں امیر ہوں اور یہ عام آدمی ہے آپ نے فرمایا الا سلام ساری



ببینکما، اسلام نے تم دونوں کو برابر کر دیا ہے۔ لامحالہ ایسے عادل حاکموں کے قاضی بھی ایسے ہی عادل ہوں گے اسی لیے صلاح الدین ایوبی نے کہا تھا۔ ولا تظنوا انی ملک البلاد بسبب و فکم بل بقلم القاضی الفاضل، تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہاری تلواروں کے ذریعہ ان ملکوں کا مالک بنا ہوں۔ نہیں بلکہ قاضی فاضل کے قلم کے ذریعہ بنا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آپ کی خلافت کے عہد میں ایک ذمی سے تنازع تھا دونوں قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوئے شروع کھڑے ہو گئے آپ نے فرمایا یہ تمہاری پہلی نا انصافی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ رات کو گر گئی ایک یہودی کے ہاتھ لگئی وہ اسے بازار میں فروخت کر رہا تھا آپ نے دیکھ لی فرمایا اسے یہودی یہ زرہ تو میری ہے نہ میں نے سچی اور نہ ہبہ کی۔ یہودی نے کہا میرے قبضہ میں ہے میری ہے قاضی شریح کی عدالت میں دونوں پیش ہوئے قاضی نے آپ سے گواہ طلب کیے تو آپ نے امام حسن کو پیش کیا۔ قاضی نے کہا بیٹے کی گواہی باپ کے لیے قابل قبول نہیں اور یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہودی یہ دیکھ کر کہ خلیفہ کا قاضی اپنے خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے رہا ہے مسلمان ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگوں میں شریک رہا۔ ایک ذمیہ عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی حضرت عمر نے حضرت علی سے کہا اے ابوالحسن اپنی مدعیہ کے برابر کھڑا ہو جا۔ آپ کو ناگوار کر رہا۔ حضرت عمر نے فیصلہ دینے کے بعد کہا اے ابوالحسن کیا تمہیں اپنی خصم کے برابر کھڑا ہونا ناگوار ہوا آپ نے کہا ہرگز نہیں بلکہ آپ نے مجھے ابوالحسن سے اور اسے نام سے مخاطب کیا مجھے یہ ناگوار ہوا۔ پس جن خلفاء کے اپنے عدل و انصاف کا یہ حال ہو گا ان کے قاضی عدل و انصاف کے اعلیٰ نمونہ پر کیوں نہ فاضل ہوں گے کیونکہ الحکام قدوة القضاة۔

## خاتمہ

اب بعض ضروری احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن پر اسلام کے نظام قضاء کی بنیاد ہے۔  
**عہدہ قضاء کی خواہش**؛ عن انس۔ من سال القضاء وكل الى نفسه ومن جبر عليه

ينزل عليه ملك يسدده (ابوداؤد۔ ترمذی)

جس نے عہدہ قضاء مانگ کر لیا اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا گیا اور جسے جبراً دیا گیا اس پر ایک فرشتہ مقرر کیا جائے گا جو اسے ٹھیک رکھے گا۔

عن ابی ہریرہ؛ من طلب قضاء المسلمين حتى يناله ثم غلب عدله جوره فله الجنة ومن غلب جوره عدله فله النار (ابوداؤد)

جو شخص مانگ کر قضاء حاصل کرے پھر اس کی نا انصافی پر اس کا عدل غالب آگیا اس کے لئے جنت ہے اور جس کے عدل پر نا انصافی غالب آگئی اس کے لئے جہنم ہے۔  
 عن ابن ابی ادنی؛ اللہ مع القاضی ما لم یجبر فاذا اجار تخلى عنه والزمه الشيطان (ترمذی)

قاضی جب تک نا انصافی نہ کرے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب نا انصافی کرتا ہے تو اس سے الگ ہو جاتا ہے اور شیطان کو اس کے ساتھ کر دیتا ہے۔  
**صحیح فیصلہ کی کوشش**؛ عن عمرو بن العاص اذا حکم المحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد فاطء فله اجر۔

اگر قاضی صحیح فیصلہ کی کوشش کر کے صحیح فیصلہ کرے تو دو گنا اجر ہے اور اگر کوشش کے باوجود غلطی کر جائے تو ایک اجر ہے۔

**رشوت**؛ عن ابی ہریرہ وابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن الراشي والمرتشي فی المحکم (ترمذی و ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ میں رشوت دینے اور لینے والے ہر دو پر لعنت فرمائی۔

دو نوں فریقوں کا بیان سنے : عن علی . بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی  
ایمن قاضیا فقلت یا رسول اللہ ترسلنی وانا حدیث السنن ولا علم لی بالقضا  
فقال -

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا قاضی بنا یا  
میں نے کہا یا رسول اللہ آپ مجھے بھیج تو رہے ہیں مگر میں کم عمر ہوں اور مجھے قضا کا علم بھی  
نہیں تو آپ نے فرمایا:

ان الله سيهدى قلوبك ويثبت لسانك فاذا جلس بين يديك الخصمان فلا  
تفضين حتى تسمع من الآخر كما سمعت من الاول فانه احرى -

اللہ تعالیٰ تیرے دل کو ہدایت دے گا اور زبان پر فیصلہ ثابت کر دے گا جب  
دو جھگڑنے والے تیرے سامنے بیٹھیں تو دونوں کی بات سے بغیر فیصلہ نہ دینا اس طرح  
تسبیح لك القضاء فما ذلت قاضيا وما شكلت في قضاء بعد (ترمذی دابور اور)

صحیح فیصلہ تمہیں روشن ہو جائے گا اس کے بعد میں برابر قاضی رہا اور کبھی کسی  
فیصلہ میں تذبذب نہیں پیدا ہوا -

غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ دے : وعن ابی بکرۃ لا یحکم احدین اثنین وهو  
غضبان وفي رواية لا یقضین احدین خصمین وهو غضبان (صحاح ستہ)

غصہ کی حالت میں کوئی شخص بھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ دے - دوسری  
روایت ہے کہ کوئی شخص دو تنازعہ کرنے والوں میں بحالت غصہ فیصلہ نہ دے -

فریقین میں برابری قائم کرے : عن ام سلمة اذا بتلی احدکم بالقضا بین المسلمین  
فلا یقضین وهو غضبان ولیستو بلیہم بالنظر والمجلس ولاشارة ولا یرفع صوتہ  
علی احد الخصمین فوق الآخر (الدرعی داکیر)

کرنے تک میں برابری کرے۔ کسی ایک فریق پر دوسرے کی نسبت آواز زیادہ بلند نہ کرے۔

قاضی بلائے تو ضرور جائے : عن عمران بن حصین . من دعی الی حاکم من حکام

المسلمین فامتنع فهو ظالم او قال لاحق له (بزار)

ترجمہ: جسے کسی مسلمان قاضی نے بلایا اور وہ نہ گیا تو وہ ظالم ہے۔

عن معاذان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما نادانا

یبعثہ الی الیمن قال له کیف تقضی اذا عرض لك قضاء

## فیصلے کی تین بنیادیں

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے میں بھیجنے کا ارادہ

فرمایا تو مجھ سے فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آیا۔

قال تقضی بکتاب اللہ تعالیٰ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال اقضی بسنة رسول اللہ قال

فان لم تجد فی سنة رسول اللہ دلا فی کتاب اللہ۔

تو کیسے فیصلہ کرے گا عرض کی کتاب اللہ سے فیصلہ دوں گا فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملے

تو عرض پھر سنت رسول اللہ سے فیصلہ دوں گا فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے۔

قال اجتهد رای ولا آلو ف ضرب رسول اللہ حد و د وقال الحمد لله الذی وفق رسول

رسول اللہ لما یرضی رسول اللہ۔

عرض کی پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے معاذ کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا الحمد للہ کہ اس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو رسول اللہ کی مرضی

کے مطابق چلنے کی توفیق بخشی (ابوداؤد ترمذی)

گواہی اور قسم؛ عن عمرو بن العاص۔ المبیئۃ علی المدعی والمیمن علی المدعی

علیہ۔ مدعی کے ذمہ گواہ اور مدعا علیہ پر قسم ہے۔

کس کی گواہی نامقبول ہے؛ عن عائشۃ رعتہ لا تجوز شهادة خائن ولا

خائنة ولا مجبور حد او لاذی عمر علی اخیہ ولا مجرب شهادة۔ ولا المقانع لاهل

المبیئۃ۔ والاظنین فی ولا ولا قرایۃ۔

مندرجہ ذیل کی گواہی جائز نہیں۔ خائن، خائنے جیسے کسی عد میں کوڑے لگے ہوں جیسے اپنے

بھائی سے کہینے ہو جس کی جھوٹی گواہی آزمودہ ہو۔ جو گھروالوں کا تابع ہو ملازم وغیرہ جو دوستی

یا قرابت کے معاملہ میں متہم ہو۔ (ترمذی)

جھوٹی گواہی؛ عن ایمن بن خریم یا ایہا الناس عدلت شهادة الزور اشد اکاب اللہ

تعالیٰ ثم تسمی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجتنبوا الرحلیس من الاوثان واجتنبوا  
قول الزور۔

اسے لوگوں۔ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ پڑھی کہ  
بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو۔ (ابوداؤد - ترمذی)۔

**بہترین گواہ!** عن زید بن خالد الاخبز کہ بغیر لشہداء الذی یاتی بشہانۃ قبل  
ان یسئلہا۔

میں تمہیں بتانے دوں کہ سب سے بہتر گواہ کونسا ہے۔ وہ ہے جو اپنی گواہی قبل اس  
کے کہ اس سے اس کی درخواست کی جائے پیش کر دے۔

**گواہی چھپانا:** عن ابی موسیٰ من کتم شہادۃ اذا دعی الیہا کان کمن شہد بالزور  
(کبیر اوسط)

جس شخص کو گواہی کے لئے طلب کیا گیا اور وہ شہادت کو پوشیدہ رکھے تو وہ ایسا ہی  
ہے جیسے جھوٹی گواہی دے۔

**گواہی اور قسم پر فیصلہ:** عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضایین  
وشاہد (مسلم، ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی پر فیصلہ فرمایا اور قسم پر بھی فیصلہ فرمایا؛  
**ایک عورت کی گواہی کا موقعہ:** عن حذیفۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
اجاز شہادۃ القابلیۃ (اوسط)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کی ولادت میں ایک دائی کی شہادت کو جائز  
قرار دیا۔

**جرم ثابت ہونے تک جس:** عن یحییٰ بن حکیم عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی  
اللہ علیہ وسلم حبس رجلاً فی تہمة۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کسی تہمت میں قید کر دیا  
(ابوداؤد)

بغير علم گواہی دنا، عن ابي هريرة من اعان على خصومة وهو لا يعلم احق او باطل  
فهو في سخط الله حتى ينزع ومن مشى مع قوم يري انه شاهد وليس بشاهد  
فهو كشاهد (دور اوسط)

جو کسی جھگڑے میں اعانت کرے اور اسے علم نہ ہو کہ حق ہے یا باطل تو اس وقت  
تک اللہ کی ناراضی میں رہتا ہے جب تک اس سے الگ نہ ہو جائے۔

اور جو شخص گواہ نہیں مگر اس فریق کے ساتھ ایسے جائے کہ لوگ اسے گواہ سمجھیں تو اس  
کا شمار جھوٹے گواہوں میں ہوگا۔

**ظالم کی اعانت ممنوع ہے**، عن ادس بن شرحبیل۔ من مشى مع ظالم ليعينه  
وهو يعلم انه ظالم فقه خرج من الاسلام (الکبیر)

جو کسی ظالم کی مدد کرنے گیا یہ جانتے ہوئے کہ ظالم ہے وہ اسلام سے خارج  
ہو گیا۔

**حدود اللہ کے قائم کرنے میں سب کی نجات ہے**، عن نعمان بن بشیر

رفعه: مثل القائم في حدود الله والواقع فيها كمثل قوم استهموا على سفينة فاصاب  
لبعضهم اعلاها وبعضهم اسفلها فكان الذي في اسفلها اذا استقوا من المارمر واعلى من فوقهم تقالوا لوانا  
خرقنا في نصيبنا خرقا ولم نؤز من فوقنا فان تركوهم وما ارادوا هلكوا جميعا وان اخذوا  
على ايديهم نجوا جميعا (ترمذی، بخاری)

حدود اللہ کو نافذ کرنے والوں اور جن پر نافذ ہوں دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ  
لوگوں نے جہاز میں جگہ لی بعض نے پچھلے درجہ میں بعض نے اوپر کے درجہ میں نیچے والوں کو  
پانی کی ضرورت ہوئی۔ اوپر والوں سے جا کر کہا کہ ہم پانی لینے کے لئے اپنے درجہ میں سوراخ  
کرتے ہیں۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں اگر اوپر والے ان کو ایسا کرتے  
کی آزادی دے دیں تو سب ہلاک ہوں گے اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیں یعنی ان کو روک  
دیں تو سب بچ جائیں گے۔

ثبوت میں شبہ ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے: عن عائشة رفعتہ ادر الحدود عن  
المسلمین ما استطعتم فان كان له مخرج فخلو سبيله فان الامام ان یخطی فی  
العفو خیر له من ان یخطی فی العقوبة (ترمذی)

جہاں تک تم سے ہو سکے مسلمانوں کو حدود سے بچاؤ۔ کوئی صورت اگر اس سے بچانے کی نکل  
سکے تو بچاؤ۔ اس لیے کہ امام کے لیے۔

معافی میں چوک جانا سزا میں چوک جانے سے بہتر ہے۔

عن ابی شریح الخزاعی رفعہ: من اصاب بقتل اوخیل فانه یختار احدی  
ثلاث اما ان یقتص و اما یعفو و اما ان یأخذ الدیة فان اراد الرأبحة  
فخذ و اعلى یدیه و من اعندی بعد ذلك و نله  
عذاب عظیم۔ (البدادر)

لیے۔ اگر کوئی چوتھی صورت اختیار کرنا چاہے تو اس کا ہاتھ پکڑ لو جو اس کے بعد زیادتی  
کرے گا تو بہت بڑے عذاب کا مستحق ہوگا۔

ایک سبکیس کو گٹھی آدمی قتل کر دیں: عن ابن عمیر۔ ان غلاما قتل غیلة فقال عمر  
لو اشتراك فیہ اهل صنعاء لقتلتهم (بخاری)

ایک نوجوان کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا اگر اس کے  
قتل میں اہل صنعاء شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔

قسامرہ: عن اناس من الصحابة ان القسامة كانت فی الجاهلیة فاقرها النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم علی ما كانت فی الجاهلیة و قضی بہا بین ناس من الانصار  
فی قتیل دعوه علی یہود خیبر (مسلم نسائی)

قسامت زمانہ جاہلیت کا ایک طریقہ تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام  
میں باقی رکھا۔ اس کے مطابق انصار کے ایک مقتول کا فیصلہ فرمایا جس کا الزام انصار نے  
خیبر کے یہود پر لگایا تھا۔

مترد کے ساتھ سلوک: عن عبد الرحمن بن محمد بن عبد اللہ بن عبد القاری عن

ایسے قال قدم علی عمر رجل من الیمن من قبل ابی موسیٰ وكان عاملا له فیساله عمر عن الناس ثم قال هل کان فیکم من مغربہ خبر قال نعم رجل کفر بعد اسلامه قال فماذا فعلتم به قال قربناه فضربنا عنقه قال فہل احببتموه ثلاثا واطعمتموه کل یوم رغیقا وستلبیوہ لعلہ یتوب ویرجع الی امر اللہ۔ اللہم انی لم احضر ولم آمر ولم ارض اذا بلغنی۔

ایک شخص یمن سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے عامل ابو موسیٰ کی طرف سے آیا۔ آپ نے لوگوں کا حال پوچھا اور کہا کیا کوئی نئی بات بھی ہوئی ہے اس نے کہا ہاں۔ ایک شخص مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گیا۔ آپ نے کہا پھر تم نے کیا کیا۔ اس نے کہا ہم نے اسے بلا کر اس کی گردن مار دی آپ نے کہا تم اسے تین دن قید میں رکھتے کھانا کھلاتے اور توبہ کی ترغیب دیتے شاید وہ تائب ہو کر دین جی قبول کر لیتا۔ اسے اللہ میں اس واقعہ میں موجود نہیں تھا۔ زمین نے حکم دیا اور زمین اس سے راضی ہوں۔

کنوارے زانی کی سزا: عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرب وغرب دان ربا بکر ضوب وغرب وان عمر ضرب وغرب (ترمذی)

کنوارے زانی (کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے مارے اور شہر بدر کر دیا ابو بکر صدیق نے بھی کوڑے مارے اور شہر بدر کر دیا عمر فاروق نے بھی کوڑے مارے اور شہر بدر کر دیا۔  
شادی شدہ زانی یا زانیہ کی سزا رجم ہے: عن بريدة انه حفرة له حفرة ثم امر به فرجم فجماءت الغامدية فقالت يا رسول الله اني نيت فظهرني... فقالت هذا يا نبی اللہ قد فطمتہ وقد اکل الطعام فدفع الصبی الی رجل من المسلمین ثم امر بها فنضرت لها الی صدرها وامر الناس فرجموها (ترمذی۔ ابوداؤد)

ماغز کے رجم کیے جانے کے بعد غامدیہ آئی اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے بھی زنا کیا ہے مجھے بھی پاک کر دیں اور یہ بچہ یا نبی اللہ کھانا کھانے لگا ہے آپ نے بچہ کسی مسلمان مرد کے سپرد کیا پھر اس کے بارے میں حکم دیا کہ سیدہ تک گڑھا کھو دیں اور لوگوں کو اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔  
سزا دیتے وقت چہرہ کو پچائیں: عن ابی ہریرۃ اذا ضرب احدکم فلیتق الوجہ



(ابوراؤر)

جب کسی کو سزا دی جائے تو چہرہ کو بچانا چاہیے۔

**قانون میں سب برابر ہیں:** عن عائشة ان قریشا اھمھم شان المررة المنزومیة التي سرقت فقالوا من یکلم فیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا من یتتری علیہ الا اسامة حبہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اتشع فی حد من حد و اللہ ثم قام فاخطب فقال انما هلك الذین من قبکم انھم كانوا اذا سرق فیھم الشریف تمکوه و اذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد و ایم اللہ لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا و ایتھم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مخزومیہ قریشیہ عورت کی وجہ سے قریش پریشان ہوئے جس نے چوری کر لی تھی۔ کہ اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سفارش کرے۔ آپ کے محبوب حضرت اسامہ کے بارے میں کہا کہ یہ جرات یہی کر سکتے ہیں چنانچہ اسامہ نے سفارش کی تو آپ نے فرمایا کیا تم حدود اللہ کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی لئے برباد ہوئے کہ ان میں کوئی صاحب وجاہت چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی بیکس چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ خدا کی قسم اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کر لیتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

**چوری کی سزا:** السارق والسارقة فاقطعوا یدھما جزاء بما کسبا نکالاً من اللہ (سورۃ نور آیت ۲)

چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت۔ دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے جرم کی سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب۔

**زانی مرد عورت کی سزا:** الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة و لاتاخذکم بہما راحة فی دین اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر (سورۃ نور آیت ۲)

(غیر شادی شدہ) زانی عورت ہو یا مرد، ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اللہ کے عین

دکا حکم پورا کرنے میں) تمہارے اندر ان کی ہمدردی نہ آنی چاہیے اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

**شراب خوری کی سنرا:** - عن ثور بن زیدان عمرا استشار فی حد الخمر فقال  
لہ علی اری ان تجعلہ ثمانین فانہ اذا شرب سکر واذا سکر ہزی واذهدی افتری  
فجلد عمر ثمانین (مالک)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شراب خوری کی حد کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ میرے نزدیک اس کی سنرا اسی کوڑے ہیں اس لیے کہ جب شراب پی نشہ ہو جب نشہ ہو تو نہیان بجا کیے گا تو بہتان تراشی کرے گا جس کی سنرا اسی کوڑے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب خوری کی سنرا اسی کوڑے مقرر کی۔

الحمد للہ ہماری اس بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام کا نظام تضار عدل و انصاف کے اعلیٰ اصولوں پر قائم ہے اور اس سطح زمین پر عدل و انصاف کی اعلیٰ اقدار کی بنیاد بھی مسلمانوں نے ہی رکھی اور عدالتوں کے لیے جو اصول و ضوابط اسلام نے مقرر فرما دیے ہیں حقیقی امن و امان ان پر عمل پیرا ہوئے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ صرف زبان سے دعویٰ کی بات نہیں بلکہ مسلمانوں کے متفقہ و پرہیزگار قاضیوں نے ان پر عمل کر کے دکھا دیا ہے۔

فالحمد لله على ذلك والصلوة والسلام على خير خلقه محمد وعلى آله  
و أصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

# اسلامی نظام عدل کے نفاذ میں اور ان کا حل

تالیف: مولانا سید محمد متین ہاشمی ڈائریکٹر ریسرچ سیل

اسلامی نظام اور مغربی نظام عدل کا بنیادی اور نظریاتی فرق موجودہ دور اور اس کے نفاذ میں حائل مشکلات ان کو کیسے ہٹایا جا سکتا ہے؟ مغربی نظام عدل کی خامیاں اور اسلامی نظام عدل کی کامیابی کے واضح احکامات پر ایک پر مغز کتابچہ۔



ناشر مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

# القصاص فی لفقہ الاسلامی

تالیف

ڈاکٹر احمد نستی بہنسی

ترجمہ

سید عبدالرحمن بخاری

ریسرچ آفیسر قائد اعظم لائبریری لاہور

یہ کتاب اسلامی قانون قصاص پر ایک مکمل

اور مدلل دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو زبان میں

اس موضوع پر اتنی مفصل کتاب موجود نہیں ہے۔

یہ کتاب جج، قاضی، وکلاء اور قانون

کے طلبہ کے لئے ایک بیش بہا خزینہ ہے۔

مترجم نے ترجمہ نہایت روان اور عام فہم کیا

ہے۔ اس سے معمولی قابلیت کے لوگ بھی استفادہ

کر سکتے ہیں۔

قیمت = ۵۵ روپے

مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور